منہج الامام محمد زاہد الکوثری

فی نقد الرجال

امام محمد زاہد الکوثری کے راویوں کے نقد کے منہج پر

مصنف: محمد عوامہ

اردو ترجمہ

دار المنہاج للنشر والتوزیع

بین یدی الکتاب

اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ، وعلیہ واصحابہ واتباعہ ومن والا، ورضی القائمون بنصرۃ الحق، والداعون الیہ بأقوالہم واحوالہم.

وبعد،

یہ صفحات میں نے امام الکوثری کے بارے میں ۲/۱۰/۱۴۲۸ھ کو لکھیں، اس موقع پر کہ ان کے بارے میں ایک علمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جو شہر دوزجہ میں تھی، اور میں وہاں شرکت نہ کرسکا تو یہ عبارت میری طرف سے نمائندہ کے ذریعے پڑھی گئی۔ اب میں انہیں تقریباً تیرہ برس بعد شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، لہٰذا میں نے انہیں دوبارہ دیکھا تاکہ ان کے لیے ایک مقدمہ لکھوں اور طویل وقت کے بعد جو کچھ تنقیح چاہتا تھا اس کی صفائی کروں؛ مگر میں نے ان میں مزید کچھ جوڑنے کی ضرورت نہیں پائی، بلکہ انہیں خود اپنی روشنی میں کافی پایا۔ اور اگر الجاحظ کہتا ہے(۱): ہر ہزار سال میں ایک ایسا آدمی ہوتا ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں، تو میں پروا نہیں کروں گا کہ یہ بات الکوثری کے بارے میں کہوں، بلکہ میں یہ کہوں گا: اسلامی عالم ایک وسیع الجغرافیہ، کشادہ میدان ہے، مشرق و مغرب اس کے مدارس کے منوّر رہتے ہیں، جہاں وہ بزرگ علمائے اہلِ علم کھڑے ہوتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے اپنے دینِ حق کے لیے دلیل بناتا ہے، اور ہر ایک کے نیچے ایسے معارف ہوتے ہیں جن کی طرف وہ رجوع کرتے ہیں اور ان کی ہدایات سے رہنمائی پاتے ہیں۔

(۱) فی (طبقات المعتزلۃ) (ص ۵۱).

اور امام الکوثری انہی کوشش کرنے والے ستونوں میں سے ایک ہیں جو دین و حق کی نصرت میں جہاد کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کی سعادت دی کہ میں نے ۱۴۱۵ھ کے رمضان کے آخری عشرے کی ایک رات تراویح کی امامت کی، مسجد الحرام کی چھت پر- اللہ اس کی حفاظت کرے اور باقی مسلم ممالک کو بھی- میرے معزز مرشد شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ کے ساتھ، جو الکوثری کے علوم کے وارث ہیں، اللہ مہربان ہو ان سب پر اور اُنہیں اپنی رحمت و رضوان سے گھیر دے۔

نماز کے ختم پر میں نے کہا: یاسیدی، ایک سوال مجھے پرانا ہے اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ سے پوچھوں۔

انہوں نے جواب میں فرمایا، جزااللہ خیراً: کہو، کہو۔ میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے دونوں شیخوں: الکشمیری اور الکوثری کے درمیان توازن یا موازنے کے بارے میں؟

انہوں نے جواب دیا، اللہ ان پر رحم کرے: ہمارے شیخ الکوثری تھے "أعضب"۔ یعنی: سخت تر اور زیادہ طاقتور مخالفین کے جواب میں۔ اور "أعضب" کے معنی میں "القاموس المحیط" میں: "آدمی جو سخت کلامی ہو"۔

اُسی وقت میرے ذہن میں فوراً یہ خیال ٹپا: دونوں شیخوں کے درمیان اختلاف جس کا ذکر میں نے کیا وہ ہے ابن تیمیہ کو قدَم العرش (القِدَم النوعی) کا نسبت دینا؛ کشمیری اسے ابن تیمیہ سے منکر سمجھتے ہیں، جبکہ الکوثری اسے ابن تیمیہ کے حق میں ثابت کرتے ہیں اور اسی پر انہیں ناپسند کرتے، اور یہی درست ہے۔

ابن تیمیہ کا کلام واضح شہادت ہے شرح حدیث عمران بن حصین(۱):"كان الله ولا شيء معه".

اللہ ان سب کو رحم کرے، اور باقی علماء اسلام کو بھی، ہدایت یافتہ، مشعل راہ علماء ہوں۔

اللہ رب العالمین کا شکر۔

استنبول(۲۷/۳/۵۱۴۴۱)

اور اسے لکھا

محمد عوامہ

(۱)رواہ البخاری(۳۱۹۱)بلفظ: «كان الله ولم يكن شيء غيره»، وانظر مجموع الفتاوى» ۱۸: ۲۱۰ومابعدہ۔

خطبۃ الکتاب

اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ جیسا کہ ہمارے رب کو پسند ہے اور جس پر وہ راضی ہے، الحمد للہ جس نے ہر عصر اور ہر مقام میں امتِ حنیفہ کے لیے وہ لوگ قائم کیے جو اس کا پرچم اٹھائیں اور آئندہ نسلوں کے لیے اس کی امانت کو ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ ادا کریں، اور درود و سلام ہمارے آقا محمد پر جو پیغام پہنچایا، امانت ادا کی، اللہ کی راہ میں صحیح طریقے سے جہاد کیا، اور ان پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہوں، اور ان کے اہلِ بیت و اصحاب و تابعین جنہوں نے اُس کا فیض پیا اور سنتوں پر چلتے رہے، قیامت تک۔

بعد ازاں: الحمد للہ عزوجل پہلے اور آخر میں، پھر اس محترم کانفرنس کے منتظمین اور مدعو کرنے والوں کا شکریہ کہ انہوں نے ایک ایسے امام کی سیرت زندہ کی جو علم و دین کے علماء میں سے تھے، جنہوں نے اسلام کے پیغام کو اپنی اخلاقیات اور رویوں میں اخلاص کے ساتھ سنبھالا، اور آئندہ نسلوں تک اس دین کی تبلیغ کی۔

اللہ ان سے راضی ہو، اور باقی علماء اسلام سے بھی۔ دوم: میری کلمہ کا عنوان، حضرات: "منہج الامام محمد زاہد الکوثری فی نفد الرجال" ہے۔

یہ تمہید، دو باب، خلاصہ اور پھر ایک تجویز پر مشتمل ہے۔

تمہید میں شامل ہے:

۱-عنوانِ تحقیق کا معنی بیان کرنا: اول "المنہج" پھر "النقد" پھر "مرادی من الرجال"۔

۲-اور اس علم میں امام الکوثری کی امامت کا تعارف۔

المقطع الأول: معنی عنوان البحث

-اما "المنہج": بافتح المیم-جو مشہور ہے-اور کسر ھا بھی بولتے ہیں: یہ واضح راستہ ہے، اور اسی سے جدید لفظ "المنہج الدراسي" (نصابِ درسی) وجود میں آیا جو تعلیمی سال کے لیے تیار کردہ منصوبہ ہوتا ہے۔ مراد یہاں ہے: امام الکوثری کا واضح راستہ اور منصوبۂ عملِ نقد الرجال۔

"النقد": وہ چیز ناپنا ہے جو خراب کو اچھی سے ممتاز کرے، مثلاً: نقدِ دینار و دراہم یعنی ان کے ردیئہ کو اچھے سے جدا کرنا۔ مراد عام طور پر لفظ "النقد" کا وہ معنی نہیں جو عام استعمال میں ہے یعنی: غلطی کی نشان دہی، استدراک اور پیروی۔ اور وہ کتاب جو نقد الرجال کے عنوان پر مرتب ہوتی ہے موضوعاً وہ روایات کے راویوں کے ذکر پر مشتمل ہوتی ہے جن پر "جرح وتعدیل" یعنی عیب اور توثیق کا قول آتا ہے، نہ صرف "جرح"۔

"الرجال" کا مطلب یہاں راویانِ حدیث ہیں، اور امام الذہبی نے اپنے مشہور کتاب کا عنوان "میزان الاعتدال في نقد الرجال" اسی معنی میں رکھا۔ البتہ میں یہاں ایک وسیع تر معنی مراد لے رہا ہوں جو ہے: الکوثری کا راویوں کا نقد اور ساتھ ہی علماء غیر راوی جیسے بعض مصنفین جو مختلف علوم میں کتابیں لکھتے ہیں۔

المقطع الثاني: التعريف بإمامة الكوثري في هذا العلم

الکوثری: وہ امام، مدرۃ الاسلام، محمد زاہد بن الحسن الکوثری ہیں جن کا چاند شہر دوزجہ، ترکی میں ۱۲۹۶ھ میں طلوع ہوا اور ان کا بدر قاہرہ میں ۱۳۷۱ھ پر غروب ہوا، وہ پچھتر سال کے قریب تھے، اللہ ان پر رحم کرے۔ میں حاضرین حضرات کے سامنے ان کا تعارف دو علما کے جملوں سے پیش کرتا ہوں جنہیں ان کا اچھا علم ہے اور مصر میں ان کے کردار و علمی اثر کا بھی علم ہے اور عام اسلامی عالم میں بھی۔

ان میں سے ایک: مصر کے حدیث کے علما میں سے ہیں، جنہوں نے قاہرہ میں امام الکوثری کے دور میں انہیں دیکھا، وہ حضرت شیخ عبد الوہاب عبد اللطیف ہیں، جن کے کئی تصانیف و تحقیقات ہیں علومِ حدیث میں، ان کی کتاب "المختصر فی علم رجال الاثر" ہے جو انہوں نے ۱۳۶۷ھ میں شائع کی، انہوں نے امام الکوثری کو ایک تحفہ کا نسخہ پیش کیا اور اس پر یہ الفاظ قلمبند کیے: "إلى إمام الحفاظ، و أمير المؤمنين في الحديث، وحجة الإسلام، عالم الدنيا، المتبحر المتقن، الفهامة، التقي الزاهد الأستاذ الكبير، شيخ شيوخنا شيخ محمد زاهد الكوثري، أمد الله في حياته، وأبقاه سيفًا يذبّ عن الاسلام. المؤلف عبد الوہاب". اور اس سے آگے۔

دوسرا: پاکستان کے ایک عالم، علامہ محقق، محدث، اصولی، فقیہ، ادیب مولانا محمد یوسف البنوری ہیں، اللہ ان پر رحمت کرے، اور ان کا الکوثری کے ساتھ مضبوط تعلق تھا، ملاقاتیں اور مراسلات۔ انہوں نے "مقالات الکوثری" کے لیے ایک مقدمہ لکھا، جو شیخ کے قلم کی نزاکت اور علمی مضبوط انداز کا آئینہ ہے۔ میں یہاں محض حوالہ دینے تک قناعت کروں گا، مگر اس ایک سفیدہ نمود صفحہ میں انہوں نے لکھا:

"وہ آدمی جس نے علم کی وسعت، حیران کن گہرائی، دقیق نظر، غیر معمولی حافظہ، حیران کن حاضر دماغی، روایت کے علوم کے امتزاج پر عبور اور درایہ کے علوم پر باریک بینی اور مقصد شناسی، نرم اخلاق و نیکی صفات، تواضع و قناعت با کفایت، ورع و تقویٰ، مشکلات پر صبر، سخاوتِ نفس اور اپنے خزانۂ معارف و دفائنِ علم کی فراخ دلی کے ساتھ، ساتھ

ہی دنیا کے گوشوں میں مخطوطات کی نایابیاں اور کتابوں کے نوادر کی وسیع آگاہی، اور دین کی حفاظت کے لیے جذباتی چوٹ اور قوم کو حق کا چہرہ صفح دکھانے کی جستجو کے ساتھ جمع ہے؛ یہ سب ایک خوبصورت منظر اور قابلِ تعریف صفات ہیں، اور اس پر اللہ کا کلام سچا ہے: ﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (۲۴۷ آلِ عمران)۔"

حسد کرنے والے باوجود، دل ان کی فضیلت و بزرگی، علم و وسعتِ نظر کے سامنے جھک گئے، اور یہ امت ہر صدی میں ایسے افراد سے فخر کرتی ہے۔ البتہ اللہ ہر صدی کو اس کا اپنی مثال کا کوئی فرد عطا کرتا ہے جو بے مثال ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ الکوثری انہی میں سے ہیں؛ انہیں ترکی دیس میں اربابِ علم کے گھرانے میں پیدا کیا گیا، انہوں نے قوتِ ذہن و ذوق پائی، بڑھنے کی طبیعت، دکھ سہے بغیر ہمت نہ چھوڑی، اپنے دور کے جلیل العلماء سے علوم حاصل کیے، اسطانبول کی یادگار مخطوطات نے انہیں نایاب وسائل سے مالا مال کیا، انہوں نے آنکھیں کھولیں تو دائیں بائیں، پیچھے اور سامنے ایسی کتب خانے ملیں جو نایاب جواہرات سے بھرے تھے۔ یوں وہ جوانی اور بڑھاپے میں ان جوہروں کے چشموں سے فیض یاب ہوئے، پھر دمشق و قاہرہ کے مکتبات میں تجربہ کار بزرگ بن کر چھانے گئے، اور اس سب کے اوپر: انہوں نے پہلے علم کے لیے علم طلب کیا، پھر حق کے لیے۔ میرے نزدیک علم کا کامل جمال اسی راستے سے ملتا ہے۔" پایان اقتباس۔

اب میں پہلے باب میں داخل ہوتا ہوں تاکہ امام الکوثری کی علمی شخصیت کے حدیثی پہلو کا جائزہ لوں اور اس کے فقروں کی طرف آؤں:

الباب الاول

الامام الکوثری، وسلامۃ منہجہ، والجواب عمایرد علیہ

یہ سات فصلوں پر مشتمل ہے۔

الفصل الاول: کلمہ عن مرحلتی حیاتہ العلمیۃ: فی الایستانہ، ثم فی القاھرہ.

الفصل الثانی: ہدفہ العلمی: احقاق ماعلیہ جماہر علماء الامۃ فی العقائد والفقہ.

الفصل الثالث: توظیفہ علم الجرح والتعدیل لھذا الہدف.

الفصل الرابع: منہج الامام الکوثری مستمدًا من اقوالہ.

الفصل الخامس: شواہد علی صحۃ ھذا المنہج وحقیقتہ.

الفصل السادس: سبب تشددہ: ردودہ علی الشذاذ العام من جموع العلماء عن الخط.

الفصل السابع: مواقف منہ یظن فیھا تناقضہ، والجواب عنھا.

الفصل الاول

کلمۃ عن مرحلتی حیاتہ العلمیۃ: فی الایستانہ، ثم فی القاھرہ

یہ معلوم ہے کہ شیخ ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے، اور اپنے وطن سے ۱۳۴۱ھ میں ہجرت کی، لہٰذا انہوں نے استنبول میں پینتالیس سال گزارے، اور اس کے بعد تیس سال گزارے جن میں سے دو سال متفرقہ دمشق میں تھے، اور باقی سب قاہرہ میں۔ اس کے مطابق تقریباً تیس سال انہوں نے استنبول میں بطور طالب وعالم بسر کیے، اور تیس سال قاہرہ میں، مگر اس میں سے دو سال دمشق میں۔ پینتیس پہلے سال - پندرہ سال کی عمر کے بعد جب انہوں نے علم کی ابتدا کی - ان کی علمی زندگی انتہائی مستحکم تھی، یہ استحکام سینکڑوں سالوں سے اس خطے کی روایت تھا جہاں ساری علوم خصوصاً عقائد اور متعلقہ امور اور فقہ واس کے مسائل بالعموم اہلِ سنت کے مذاہب کے عملی اطلاق کی صورت میں پڑھائے جاتے تھے، اور دیگر مذاہب نظریاتی طور پر پڑھائے جاتے تھے، اس طرح سے طلبہ کے دلوں میں ابتدا سے لے کر حیاتِ علمی کے آخری مرحلوں تک مکتبِ صحیح کے عقیدہ کی بنیاد مضبوط ہوتی تھی اور غیر کے مذاہب کی نفی ہوتی تھی۔

یہی وہ علمی ماحول تھا جو ان دیار میں رائج تھا، اور یہی امام الکوثری کے نصیب میں آیا۔

پھر وہ مصر ہجرت کرتے ہیں جہاں انہوں نے رسمی طور پر اسی طرح کے ایک علمی ماحول کی حکمرانی دیکھی جو استنبول میں ان کے نشو ونما کا سبب تھا؛ مگر انہوں نے وہاں رسمی دائرے سے باہر بہت قابلِ نفرت حالات بھی دیکھے، حالانکہ ان منکر حالات کے حامل افراد اسی رسمی گڑھ (الازہر الشریف) میں پل کر بڑھے تھے۔ الکوثری ایسے وطن میں رہے جو ہر طرح سے اسلامی عقیدہ کی حفاظت کرتا تھا، اور اسلامی فقہ وکرامت کی حفاظت کرتا تھا، اور فقہائے امت عموماً، خاص طور پر چاروں مجتہدین کی حکمرانی تھی۔

مگر وہ ایک ایسے ملک میں آئے جہاں اس زمانے میں جلیل العلماء موجود تھے، اور ان کے بعد ایسے نووارادات نمودار ہوئے جنہوں نے ان دیار کے علمی ماحول کی صفائی کو خراب کر دیا جو پہلے عربی عالم کا محور تھا؛ انہوں نے علماء کی صف کو عقائد، فقہ اور مذہب کے لحاظ سے پھاڑ دیا۔

کچھ لوگ ایسے ملے جو بعض کتابیں تجسیم پر شایع کرتے تھے، بعض نے پرانی علماء کے اقوال کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی جیسے: "طلاق الثلاثۃ واحدۃ" کا قول اختیار کرنا، اور بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول آخرت پر انکار کیا۔ بعض نے بیرونی پشت پناہی کے ساتھ فصول چھاپے جو کچھ کتابوں سے منعکس ہو کر لاکھوں مسلمانوں کے ذہن میں الجھاؤ ڈال رہے تھے، اور بعض نے چھوٹے پمفلٹس شائع کیے جن میں ایک مذھب کی اتباع واجب اور دوسرے مذھب کی تحقیر کا دعویٰ کیا جاتا تھا، حالانکہ دونوں مذاہب مسلمانوں میں رائج مکتبوں میں شامل ہیں۔

یوں تضادات پیدا ہوتے ہیں: خطہ جس کی وسعت میں اکثریت علماء کے عقائد کی حکمرانی ہو اور اس کے پیچھے امت ہو، اور اسلامی فقہ جسے علماء چارہ دار کریں، ایک دوسری جگہ مختلف آراء اور مذاہب کی افواج نظر آنے لگیں۔ میں نے ان کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے، تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام الکوثری — جنہوں نے یہ تبدیلی دیکھی — ایسی منکرات کے سامنے خاموش رہیں، جبکہ ان کے پاس وہ دلائل و برہان تھے جو ان خواہشات و باطل آراء کو خاموش کر سکتے تھے؟ بلکہ ان کی تصانیف یہ دکھاتی ہیں کہ وہ واحد تھے جن کے پاس ان باطل آراء کے خلاف بیحد تباہ کن دلائل موجود تھے، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں وسیع مطالعہ، حیران کن حاضر دماغی اور عجیب فنکاری کے ساتھ عطا کیے۔ گویا وہ اس علم کے لیے پیدا ہوئے تھے۔

الفصل الثانی

ہدفہ العلمی: احقاق ماعلیہ جماہیر علماء الامۃ فی العقائد والفقہ

ان علمی خلفشاروں کے سامنے جو شیخ نے اپنے دوسرے ملک (قاہرہ) میں دیکھے، انہوں نے خود کو ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے وقف کر دیا؛ حق کو ثابت کرنا اور اس کی نصرت کرنا، باطل کو باطل ثابت کرنا اور اسے رد کرنا — یہی ان کا علمی ہدف تھا جس کی حمایت وجدوجہد وہ کرتے رہے: اس بات کا دفاع کرنا جو علماء امت کی اکثریت نے سلف سے وراثتاً لیا تھا، اور ان کے طریقے پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب دینا: اول عقیدے کی طرف سے، پھر اسلامی فقہ کے عمومی اعتبار سے، اور بالاخص فقہ حنفی اور اس کی امامت کی طرف سے۔

جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے: الکوثری جماہیر سلف کے مکتب التفویض کو مکتبِ غالب کے طور پر قرار دیتے ہیں؛ جو جس نے اسے قبول کیا اور اس کے تفویض کے گرد کوئی شبہ نہ تھا وہ اسے قبول کیا، ورنہ ان کے نزدیک اس کے سوا دوسرا چارہ نہیں تھا مگر تاویل جو جماہیر علماء امت جیسے اشاعریہ اور ماتریدیہ کا طریقہ تھا، اگرچہ وہ آیات و نصوص کے حوالے سے ایک دوائی اور علاج کی حیثیت رکھتا ہے؛ وہ اپنے علماء کے نصوص پر قیام کرتا ہے اور ان کی دائرہ کار سے باہر نہ جاتا ہے، اور وہ مشتبہ باتوں کو موجود تسلیم کرتا ہے مگر انہیں محکمات کی طرف لوٹاتا ہے جیسا قرآن مجید کہتا ہے: "مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ" (۱) اور المتشابہ یُرَدّ الی المحکم۔

وہ اپنی تمام کوششوں اور مباحث میں یہ نصیب پا کر آیا کہ آخر میں اسے صرف گالی اور بدزبانی میں آکر مارا گیا۔

جہاں تک فقہِ اسلامی کا تعلق ہے: وہ اس کے دفاع میں شیر کی مانند تھا، اُن لوگوں کے سامنے جو اس کی حیثیت کو کم تر سمجھنا چاہتے تھے بہانے کہ وہ کتاب و سنت کے نصوص کی پابندی یا اگر آپ چاہیں تو کتاب و سنت کی ظواہر پر جمے رہنے کا الزام لگاتے تھے؛ یہ لوگ وہ ہیں جو الصنعانی اور الشوکانی کے ہاتھوں پر پرورش پائے، پھر بعد ازاں ابن حزم کی ظاہری تشریح کی طرز پر پروان چڑھے۔ مسلمانوں میں ایک گروہ پیدا ہوا جسے الکوثری نے "اللامذھبیہ" کہا اور انہوں نے اس بارے میں ایک بہت بڑا اور اثر انگیز مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا: "اللامذھبیہ قنطرۃ اللادینیۃ"۔

فقہِ اسلامی عقلوں کی شان رہا ہے صدیوں تک، اور یہ دراصل کتاب و سنت کا پھل ہے، نصوص کا جمع اور انہیں قواعد و مناہج کے مطابق استنباط جو اصل میں وہی فقہاء نے اصول کی کتب میں قائم کیے۔ اس کو معطل کرنا اور اس عظیم فخر کو نقصان پہنچانا اسلام کی تشریعات اور ان کی ہر زمانہ و مکان کے لیے صلاحیت کو مٹا دینا ہے؛ اللہ محفوظ رکھے کہ الکوثری یا امت کے کسی عالم کو اس عظیم فقہ اور شاندار عمارت پر کوئی ضرب برداشت کرنی قبول ہو۔

الکوثری نے فقہ کے دفاع میں متعدد مقالات لکھے اور ثابت کیا کہ اس پر حملہ دونوں طرح سے ہو سکتا ہے: یا تو ظاہری نصوص پر سختی کے بہانے یا شرعی مصلحت کے نفاذ کے نام پر، جو دراصل دین و عام فقہ سے انحراف کا سبب بنتی ہے۔(۱) سورۃ آل عمران:(۷).

اور جہاں تک تیسری حیثیت کا تعلق ہے۔جو کہ فقہ حنفی اور اس کے امام کے دفاع سے متعلق ہے۔تو ان کی یہی مباحثے اتنے مشہور ہیں کہ ذکر کرنے کے قیاس سے بالاتر ہیں، بلکہ ان کی سب سے بڑی اور اہم کتاب اسی امام اعظم اور اس کے بعض اجتہادی مسائل کے دفاع میں آئی ہے، اور وہ ان کی دو کتابیں ہیں: "تأنيب الخطيب على ما ساقه في ترجمة أبي حنيفة من الأكاذيب" اور "النكت الطريفة في التحدث عن ردود ابن أبي شيبة على أبي حنيفة"۔ یہی وہ دونوں کتابیں ہیں جن کے بارے میں امام مصطفی صبري رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "کتاب القرن الرابع عشر: موقف العقل" میں فرمایا: "یہ دونوں کتابیں اتنی باوقار ہیں کہ سابق دار خلافت کے معاہدِ الفاتح ان پر مصر کے اخیر الأزہر کے معاہدوں سے فخر کر سکتے ہیں"۔ ان میں ایک اور نفیس، مختصر حجم کتاب بھی شامل ہے جو امام اور مکتب کا دفاع کرتی ہے، اور وہ ہے: "إحقاق الحق بإبطال الباطل في مغيث الخلق"، جو انہوں نے امامین الحرمین کی کتاب "مغيث الخلق" کے جواب میں لکھی، جس میں اس نے ہر مسلم پر لازم قرار دیا تھا کہ وہ امام الشافعی کے مذہب کو اختیار کرے، اور مکتب حنفی کو حقیر دکھایا اور ایسے طور پر بدنام کیا جو قابلِ مزید نہیں تھا۔

کوثری نے اپنی کتاب "النکت" کو کتابی طور پر اسی انداز میں بیان کیا، اور اپنی کتاب "التأنیب" کو بھی اسی "الترحیب" کے آخر میں بیان کیا، اور "النکت الطریفة" کے بارے میں کہا: "یہ کتاب نے دونوں طرف کے دلائل کو محقَّق طور پر پرکھا، اور بہت سی حقائق اور فقیہان کے ادراک کے اختلافات اور اسلامی فقہ کے مراتب اور ادوار کو بے نقاب کیا، جس کا اثر محققین کے نزدیک بہت گہرا ہے"۔ اور اپنی دوسری کتاب "التأنیب" کے بارے میں "الترحیب" کے آخر میں کہا: "و « التأنيب » -بحمد الله سبحانه- من الكتب التي لا تُحوج إلى سواها في الذب عنها، لكون مسائله محبوسة الأطراف، بأدلة ناهضة لا ينالها بسوء تشغيبُ المشاغبين"، اور یہ تعریف شیخ رحمہ اللہ کی طرف سے مغرورانہِ تمجید نہیں، بلکہ یہ نعمتِ الٰہی اور توفیقِ خدا کی بات ہے۔ اور میرا اس شیخ کی سراہنے پر انحصار دراصل اس مثلِ کہاوت کے مشابہ ہے: "صاحبِ گھر ہی بہتر جانتا ہے"۔

میں پھر کہوں گا: یہ تینوں امور کوثری اور دوسرے مسلمانوں کے علما کے نزدیک ثابت اور غیر متزلزل ہیں: صاف تنزیہ کے ساتھ اسلامی عقیدہ، عمومی اسلامی فقہ جو شرعی احکام اور نظام میں اسلام کا ستون ہے، اور ابو حنیفہ ایک محترم، معتبر امام ہیں، اور ان کا فقہ اسلامی تشریع میں ایک بنیادِ اساسی کا درجہ رکھتا ہے۔ کوثری یا کوئی اور شخص ان ثابتات کو نہ تو قریبی طور پر اور نہ ہی بعید سے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جو بات میں کہہ رہا ہوں اس کی تصدیق یہ ہے کہ کوثری کی فطری لکھائی ہوئی اہم کتب انہی تین ثابتات کے گرد گھومتی ہیں، اور ان کے بیشتر مضامین بھی انہی تینوں ثابتات کے اثبات کے گرد ہی رہتے ہیں، اور ان کی کچھ دیگر کتب و مضامین عام فائدے کے لیے لکھی گئیں۔

باب سوم

علمِ جرح و تعدیل کا اسی مقصد کے لیے استعمال

حیرت کی بات نہیں کہ امام کوثری نے اس مقصد کے لیے علمِ جرح وتعدیل کو بروئے کار لایا، کیونکہ یہ تینوں ثابتات مجموعی طور پر دین کو عقیدہ اور تشریع میں تشکیل دیتی ہیں، اور کوئی بھی خبر جو ان امور کی صفائی کو خراب کرے، کوثری اسے ایسے متشابہات کی حیثیت دیتا ہے جنہیں محکماتِ ثابتات کی طرف حوالہ کیا جانا چاہیے، حتیٰ کہ جب بات امامِ ابو حنیفہ کی ہو، چونکہ ان کی امامت ثابت اور متواتر ہے، تو ان کے بارے میں کوئی بھی خبر جو متفقہ حقیقت سے متصادم ہو وہ بالکل رد کی جائے گی۔

باب چہارم

امام کوثری کا طرزِ عمل ان کے اقوال سے ماخوذ

اس عظیم مقصد کی تحقیق کے لیے ایک محکم، اصلی، اور مضبوط طریقِ کار ضروری ہے، ایسا امام جو علوم میں مضبوط پہاڑ کی مانند ہو، جس کے اندر ایمان ایسا ہو کہ طوفان اور سخت حالات اسے متزلزل نہ کر سکیں—یہ وصف امام کوثری میں موجود ہے، جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں، اور ہم کسی کو خدا کی طرف سے ستائش نہیں کرتے۔ اور میں کہتا ہوں: امام کوثری کا طریقِ کار، الحمدللہ، رجال کی تنقید اور متون واخبار کی تنقید میں ایک مکمل طریقِ کار ہے، جو سابقہ ائمہ کے طریقِ کار سے مستخلص اور ماخوذ ہے—وہ دائرۂ ان ائمہ سے باہر نہیں نکلا، بلکہ ان کے دائرے اور نظر ان میں وسعت ڈالی، خاص طور پر اختلافی مسائل میں۔ وضاحت آئندہ آئے گی۔

تعریفِ طریقہ کے تعارف کے لیے، اور جو پہلے کہا جانا چاہیے، وہ ان کا اپنے قلم سے خود کے بارے میں کہہ ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالہ "الصراع الأخير بين الإسلام والوثنية" میں کہا: "الكوثري هو-ولله الحمد-ناصع الجبين، جبان رعديد، لايجترئ على تخطي حدود ما أنزل الله تعالى في ذاته وصفاته، وأحكام شريعته، لكنه بطل كرار حنفي يهد الأصنام كبيرها وصغيرها، ويسحق رؤوس عبادها بمقامع الحجج من الكتاب والسنة والمعقول مادام له عرق ينبض، والدليل على ذلك أنه لايقبل غير القطعي من الأخبار في ذات الله وصفاته، والله يعلم مبلغ إجلالي للأئمة المتبوعين، ويلمس كرامُ القراء حقيقة الأمر في مطالعة مقالاتي، وبمطالعة "الإشفاق على أحكام الطلاق"... ولم أدوار كفاحي أدعو إلى التمسك بشرع الله، بالانضواء إلى منشد أزل في جميع دور الكفاح تحت رايات هؤلاء الأئمة رضوان الله عليهم أجمعين، دون التفات عن جماعتهم في الفرع والأصل، ومن عزا إليَّ خلاف ذلك فهو مجوج ممجوج، معتد أثيم، مفتر كذاب، وليس معنى عدم التدليل على مسألة أصلية خلافية أو فرعية كذلك إجلال الأئمة بالجري على التسليم المحض، فإنه تقليد أعمى..."

أ-اور جہاں تک رجال (جرح وتعدیل) میں ان کا طریقِ کار ہے: یہ ایک بہت درست طریقہ ہے، وہ طریقہ جس نے تاریخِ اسلام، واقعات وفتن، مذاہب اور عقائد، اور ان فتن کے آثار اور لوگوں کے درمیان مذاہب وعقائد میں اختلافات کو جانا، اور جو نفرتیں وتفرقے ان سے پیدا ہوئے جنہوں نے دلوں اور سینوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہوتا، اگر خدا نہ ہوتا تو اس کے دین کی حفاظت نہ ہوتی اور امت مسلمہ کو اسلام کے تحت یکجا رکھنے میں خلفائے مسلم کا وجود بہت بڑا فائدہ پہنچاتا۔

میں امام کوثری کے الفاظ کو ان کے طریقِ کار کی تشریح میں پہلا حوالہ بنا رہا ہوں، اور ان کے مقدّمہ "الترحيب بنقد التأنيب" کے پہلے باب سے نقل کر رہا ہوں، جہاں وہ نقلۃ (متنقلین) کی طرف سے دوسرے فریق پر غضب کے اسباب کی فہرست ظاہر کرتے ہیں، اور یہ اختلافِ عقائد کی نمائندگی کرتے ہیں:

قدیم نقّالوں کے اسباب:

1 - "الرأي" جو ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے منسوب کیا جاتا ہے، حالانکہ ان کا رأی غیر منصوص میں نصوص سے مستمد ہے، اور یہ ایک طریقہ ہے صحابہ اور تابعین کے فقیہان کا: مقابلِ مقابل کو رد کرنا...

2- اور اس میں شامل ہے: ابو حنیفہ کے عمل کو ایمان کا اصل رکن نہ سمجھنا، تاکہ پورے امت کو تکفیر سے بچایا جائے، محض عمل کے نقص کے سبب؛ اور یہ بھی کتاب و سنت کی مقتضی بات ہے، اور اس کو کہنا "ارجاء" کہ ظلم اور ستم ہے...، اور جو شخص اس بات پر اصرار کرے کہ عمل ایمان کا اصل رکن ہے اور جو عمل میں کوتاہی کرے اس نے ایمان میں خلل ڈالا، وہ اصرار میں یا تو معتزلہ یا خوارج کی طرف جھکا ہوا ہوگا، خواہ شعوری ہو یا غیر شعوری۔ اور اس سبب سے مبالغہ آرائی جرح میں بہت زیادہ ملتی ہے...

3- اور اس میں شامل ہے: ایمان میں استثناء کا مسئلہ، اور زیادہ تر نقاد جو ایمان میں استثناء نہیں مانتے، اسے ضال سمجھتے ہیں، حالانکہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب یہ دیکھتے ہیں کہ مؤمن کا کہنا: "أنا مؤمن إن شاء اللہ" صرف اس وقت درست ہے جب وہ مستقبل کی طرف اشارہ کرے نہ کہ حالت کی طرف...

4- اور اس میں شامل ہے: جس نے صرف یہ کہا: "القرآن کلام اللہ" اس کا تکفیر کر دینا، جیسے وہ کتاب و سنت کے مقام پر رک گئے تھے اور اس وقت کے نزاع کو ختم کر رہے تھے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حالات ہمارے ہاتھ میں آئے وہ واقع ہوئے، اور اس میں خدائی علم کی قدیمت میں کوئی شک نہیں۔

5- اور اس میں شامل ہے: اس کے کہ کسی نے کہا: "القرآن مخلوق" اور اسے تکفیر کی فتویٰ دے دی بغیر یہ وضاحت کہ اس کا مراد کیا ہے: کیا مراد یہ ہے کہ قرآن اللہ کے علم میں قائم ہے جیسا کہ امام احمد کہتے ہیں: "القرآن من علم اللہ، وعلم اللہ غیر مخلوق"؟ یا مراد یہ ہے کہ قرآن تالیوں کی زبانوں، خطاطوں کی مصاحف، اور حفاظ کے اذہان میں ہے؟ پہلا بالکل غیر مخلوق ہے، دوسرا حق والوں کے نزدیک ذاتی طور پر حادث ہے...

6- اور اس میں شامل ہے: لفظی طور پر کہنے والے کو تکفیر و بدعت کہنا کہ "لفظی بالقرآن مخلوق" بغیر اس کے مراد معلوم کیے: کیا مراد لفظ بطبعہ ہے یعنی لفظ جو ایک فعل ہے، یا مراد قرآن اللہ کے علم میں موجود ہے جسے اسی لفظ سے حوالہ دیا گیا؟ پہلا بلاشبہ حادث ہے، دوسرا بلاشک قدیم ہے۔

- اور اس میں شامل ہے: صفاتِ الٰہیہ کے مسائل، جن کے بارے میں نقلۃ ایسے روایات بیان کرتے ہیں جو حقیقت و ثبوت سے بہت دور ہیں، اور وہ انہیں ایسے معانی میں لیتے ہیں جو خالقِ عالم کے جسمانیت میں داخل کر دیتے ہیں، جس سے ہر سنی جو تنزیہ چاہتا ہے بری طرح براءت بر طرف ہوتی ہے۔

- اور اس میں شامل ہے: جرح و تعدیل کے علما میں ایسے بھی ہیں جو نامعلوم لوگوں کو ثقات کے درجے میں درج کر دیتے ہیں، اس بہانے کہ ان پر کبھی جرح نہیں کی گئی۔ اور...

9- اور اس میں شامل ہے: یہ مقرر ہو گیا ہے کہ جو چیز غائب ہو وہ نہیں دے سکتی، لہٰذا کسی غیر معتبر کے توثیق کا اس کو مقامِ ثقات تک اٹھانا ممکن نہیں؛ مثلاً ابو نعیم، البیہقی، خطیب جیسے لوگ جو ان کے شدید تعصب میں ثابت ہیں جس کے سبب وہ اپنے پیروکاروں کو ان کے تعصب کے معاملوں میں رد کر دیتے تھے، اُن کا قول رجالِ ملامت میں قابل قبول نہیں... اور مثلاً ابو شیخ... ان کا توثیق شخصی طور پر اُنہیں ثقات کے درجے تک نہیں پہنچاتا، اور میری مراد جب کہتا ہوں "غیر موثق" تو میرا مطلب ہے وہ شخص جو اہلِ شأن میں سے موثق نہ ہو...

پھر انہوں نے کہا: "یہ واضح بیان اچھے نقاد پر لازم کرتا ہے کہ وہ قولِ خلق القرآن کے فتنے کے احاطہ کو پڑھے اور جو کچھ اس سے پیدا ہوا، جیسے بدعت، بلکہ کفر و زندیقہ تک پہنچنے والی خبریں، عدالتوں اور مناصب پر تنگ نظری کے ادوار، اور تعصباتِ مذہبی کا پھیل جانا جو فرقہ وارانہ اختلافات کو جنم دیتا ہے، ان کے حالات کو کتبِ فتنہ میں ملاحظہ کرے، اور ان زخم جو تنزُلات اور تشدد میں بنے تھے ان کا مطالعہ کرے، قبل اُس کے کہ نفوس سکون پائیں اور صورتِ حال درست ہو... اور یہ ہے اس میدان میں نقاد کا کنجی۔"

ب-اور جہاں تک امام کوثری کا متون کے قبول ورد میں طریقہ ہے: ان کے طریقۂ کار کا بہترین اظہار وہی ان کے الفاظ ہیں، اور میں انہیں ہی نقل کر رہا ہوں جس طرح میں نے ان کا طریقِ کارِ رجال نقل کیا تھا۔

انہوں نے کہا: "وأما طريقتي في البحث عن أسانيد المثالب المخالفة لما تواتر من مناقب الإمام الأعظم، فتستند إلى أمور:

1 - منها: أن أخبار الآحاد على فرض ثقة رواتها، لا تناهض العقل ولا النقل المستفيض، فضلاً عن المتواتر، وقد ثبتت إمامة أبي حنيفة وأمانته ومناقبه لدى الأمة بالتواتر، فخبر الآحاد ضد استقر في نفوس معظم الأمة الاعتراف له بتلك المزايا: أبعل للسقوط بنفسه، فضلاً عن أن تكون في رجال السند علل.

2-ومنها: أن خبر الآحاد يكون مردوداً عند مصادمته لما هو أقوى منه في أخبار الآحاد..."۔

انہوں نے مزید کہا: "بل خبر الآحاد الصحيح يُنبذ ويترك عند أهل العلم بمخالفته العقل، كما في 'الفقيه والمتفقه' للخطيب نفسه"۔ اور انہوں نے "التأنيب" کے مقدمے میں فرمایا: "ليس الصحيح من الأخبار يعارض المستفيض المشهور، فضلاً عن المتواتر"۔

اپنی اس قاعدے کے اطلاق میں انہوں نے کہا: "وقد تواترت عن ابن مسعود قراءته بطريق أصحابه من أهل الكوفة... ومن زعم أنه لم يكن في مصحفه الفاتحة والمعوذتان، أو أنه كان يحكُّ المعوذتين: فكاذب قصداً، أو واهم من غير قصد، والمعوذتان موجودتان في قراءة ابن مسعود المتواترة، التي يسمعها المسلمون في مشارق الأرض ومغاربها في كل حين، وفي كل الطبقات، وأنَّى يناهض خبر الآحاد الرواية المتواترة؟!"۔ اور ایک اور جگہ کہا: "إن ذلك مما يُنزل الحديث من مرتبة الصحة إلى منزلة يتقوّى بعض رواياته ببعض، ومثله لا يصلح أن يكون مناهضاً لنص الآية وصرائح وجوب الاستنزاه من البول في السنة الصحيحة"۔

ان کے قبولِ أحادیثِ الصفات کے لیے ایک اور شرط بھی ہے، جس کی انہوں نے طرف اشارہ کیا اور کہا: "والمحدثون يتساهلون في المناقب، ويتشددون في الحلال والحرام، فإذا كان التشدد في الأحكام العملية الظنية واجباً، فهو في المسائل الاعتقادية يكون أوجب، فلذا نريد في المسائل الاعتقادية رجالاً لم يتكلم فيهم، ولا نكتفي أن يكون بعض الناس أثنى عليهم، ونطلب في هذا أحاديث في أعلى مراتب الصحة مما لم يَمَسَّ متنه اضطراب أو شذوذ أو مخالفة للبراهين، ولا لحق رجاله وصمة التدليس وقلة الضبط ونحو ذلك، فضلاً عن الكذب، فيجب التحري البالغ في أحاديث الصفات عند جمهور أهل الحق، ومَن تهاون في ذلك فقد هان عليه اعتقاده"۔

یہ شرط شیخ کا ایجاد کردہ نہیں بلکہ وہ نصوصِ قطعی کے مفہوم سے اخذ کیا گیا ہے جو کہ عموماً عقائدی احادیث میں معتبر ہیں—دونوں ایک ہی چراغ سے روشن ہیں۔

کسی کو اس بات میں شک نہیں کہ اسناد ہر خبر میں اہم ہیں، مگر یہ وسائل ہیں نہ کہ مقصد، یہ متون واخبار تک پہنچنے کے لیے زینہ ہیں؛ جب وسیلہ درست ہو تو متن کا جائزہ لینا لازم ہے کیونکہ متن ہی اصل مقصد ہے، اور محدثین نے واضح کیا ہے کہ بعض فاسیقین ایسے ہیں جو صحیح اسناد کے ساتھ احادیث وضع کر سکتے ہیں!!

ایک اور توقف اس طریقے کی صحت اور اس کی اساسی بنیاد واضح کرنے کے لیے ضروری ہے۔

محدثین ائمہ نے اسی طریقے کے اطلاق کے لیے حدیث کے ایک قسم کو علیحدہ کیا، اور کوثری نے یہاں اسی پر عمل کیا، وہ قسم معروف ہے "الحديث الشاذ" یعنی ایک موثق کی مخالفت اعلیٰ موثق یا موثقین کے جماعت کی، تو اگر ایک موثق اسی طرح کی روایت کے خلاف ہو اور وہ روایت تواتر پر یا مستفیض پر ثابت ہو تو کیسا ہو گا؟ اُنہوں نے بالآخر ایک اور قسم کو بھی علیحدہ کیا جسے "الحديث المنكر" کہا گیا، یعنی ضعیف کی مخالفتِ قوی۔

اسی طرح ان کے پاس متونِ احادیث کی تنقید کے کئی طریقے ہیں، بر خلاف اُن مغربی مستشرقین کے دعووں کے جو بغض رکھتے ہیں کہ علمائے حدیث نے صرف اسناد کی تنقید کی اور متون کی پروانہ کی۔

باب پنجم

اس طریقے کی صحت و حقانیت کے شواہد

ان خطوطِ عریض پر ایک توقف لازم ہے تاکہ میں امام کے اس طریقے کی اصل اور درستی اور محدثین کے طریقہ سے موافقت کی تصدیق کر سکوں، میں کہتا ہوں:

یہ طریقہ اُن لوگوں کا طریقہ ہے جو اختلافِ عقائد و فروع میں گنجائش رکھتے ہیں جب تک اختلاف دائرۂ اسلام میں ہو، اور یہ طریقہ اُن لوگوں کا ہے جو معاملات کو عقل کے ساتھ سمجھتے، اسباب کو سمجھتے، اور الفاظ و مضامین کا وزن درستگی سے کرتے۔

ان کے پہلے سبب کے بارے میں جو انہوں نے نو اسباب میں سے پہلا کہا، وہ ایسے شخص کا کلام ہے جس نے ابتدا تا انتہا دیکھا؛ یہ ابو حنیفہ کے طریقِ فقہ میں نصوص میں استنباط کا طریقہ ہے، اور اگر یہ طریقہ بزرگ صحابہ و تابعین کے فقہاء کے طریقے سے ماخوذ نہ ہوتا تو اسلام ہر زمانہ و مکان کے لیے قابلِ عمل نہ رہتا۔ اور دیگر چھ اسباب (2-7) اس بات کی دلیل ہیں کہ شیخ صدرِ اسلام کی تاریخ، واقعات اور مذاہب پر عبور رکھتے ہیں، اور ان مذاہب کو نصوصِ کتاب و سنت کے مطابق درست سمت میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور ان میں متخالفین کے ساتھ کشادگیِ سینہ بھی دکھائی دیتی ہے۔

لیکن جروح و طعنوں کو ان اسباب کی روشنی میں چھاننا لازم ہے، اور یہ اسباب کتبِ جرح و تعدیل اور علومِ حدیث میں عام مباحث کے ساتھ مربوط ہیں: مثلاً مبتدعات کے راویوں کی روایت کا حکم، مختلف مکتبوں و عقائد کے لوگوں کے اقوال قبول یا رد کرنا بحیثیتِ اختلافِ مذہب وغیرہ۔ ہاں، جس کلام کی طرف اشارہ کیا گیا وہ اُس دائرے تک محدود تھا، اور شیخ نے اس دائرے کو وسعت دی۔

لہٰذا کوثری کا ان اسباب کو اپنے تحقیقی مضامین میں جگہ دینا حیران کن نہیں، بلکہ یہ جرح و تعدیل کے ثوابت میں سے ہیں۔

انہوں نے مزید اپنے مقدمے "الاختلاف في اللفظ" از ابن قتیبۃ میں کہا: "سبب تحامل ابن قتيبة على أبي حنيفة هو تشيع بيئته بالانحراف عنه وقتئذ، بسبب تولي بعض القضاة المتفقهين على طريقة أبي حنيفة من متكلمي المعتزلة اختبار المحدثين في المحنة الشهيرة التي قام بها المأمون ومن بعده، فحملوا وزر ابن أبي دؤاد على غير وازره: فقيه الملة أبي حنيفة، الذي فتق الله الفقه الإسلامي على لسانه وألسنة أصحابه، وجرى تدوين فقه المذاهب المتبوعة على نبراس تأصيله وتفريعه"۔

اور اس مختصر مگر نایاب مقدمے کے آخر میں انہوں نے کہا: "من يَعْنَى بعلوم الحديث والرجال يَظْفَر فيه - في كتاب 'اختلاف اللفظ' - بما يجلو سرّ ما يجده في كثير من كتب الجرح والتعديل من الغلو في الكلام على كثير من أعلام العلماء على استمرار نقل الخالف عن سالفه، ذلك الغلوّ كسراب طير تتابع، مع أن من وقاه الله الهوى، ودرس سيّر هؤلاء الأعلام حق الدرس يجد أحوالهم وسيرهم على خلاف تلك الكلمات الطائشة، فيدعوه ذلك إلى التبصر في التعويل على أمثال هذه الكلمات المتناقلة، والتثبت فيها، وصون النفس من الهلاك مع الهالكين، ومن الله التوفيق والتسديد"۔ اور مجھے بھی کچھ نقول ذکر کرنا لازم ہیں بعض ائمہ کے بارے میں اس نکبتناک فتنے اور اندھے انتشار کی وجہ سے۔

"تھذیب الکمال" میں ابوزرعۃ الرازي کے اقوال سے نقل ہے کہ احمد بن حنبل ایسے تھے کہ وہ أبي نصر التمار، یحیی بن معین، اور اُن میں سے کسی کے بارے میں جو امتحان میں کامیاب ہوئے، اُن کے بارے میں تحریر قبول نہیں کرتے تھے؛ حتیٰ کہ امام احمد نے أبي نصر التمار کی جنازہ میں شرکت نہ کی۔

ابن أبي حاتم نے "الجرح والتعدیل" میں علي بن المدیني کی سیرت میں لکھا: "کتب عنہ أبي وأبوزرعۃ، وترک أبوزرعۃ الروایۃ عنہ، من أجل ماکان منہ في المحنۃ، وکان أبي یروي عنہ، لنزوعہ عماکان منہ"۔

اور "الضعفاء" للعقیلي میں آیا ہے کہ امام احمد نے آخر کار حدیث چھوڑ دی تھی، حتیٰ کہ ابن المدیني سے بھی! بلکہ "تھذیب الکمال" میں ابن المدیني کی سیرت میں آیا کہ بندار اور محمد بن بشار نے علي بن المدیني کے بارے میں لکھنا چھوڑ دیا، اور ابراہیم الحربي نے بھی ان سے روایت ترک کر دی، اور امام احمد سے پوچھا گیا: علي بن...

المدیني آپ کو سلام پہنچاتا ہے، تو خاموش رہا اور جواب نہ دیا!

کہ

ابن عساکر کی تاریخ میں آیا ہے کہ عثمان بن سعید الدارمی نے کہا: «میری نیت یہ تھی کہ میں ان سے حدیث نہ کروں جو خلق القرآن پر جواب دینے والے تھے، مگر موت مجھے پہنچ گئی، اور اگر وہ نہ ہوتا تو میں کچھ بزرگ شیوخ سے حدیث چھوڑ دیتا» ۔ اور معلوم ہے کہ محنہ میں جو لوگ جواب دینے والے تھے: ابن المدیني اور ابن معین تھے، اور یہ دونوں اس علم میں اس کی نعمت کے ولیّ تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ احمد اور ابن المدیني اور ابن معین کے مابین بھائی چاری، محبت اور ساتھ رہا کرتے تھے اور علم کے طلب میں سفر کرتے تھے، اور ان کی اس میں امامت دن کی روشن دھوپ سے زیادہ واضح ہے۔

اس فتنہ کے آثار کی ترجیحات: جو « جرح وتعدیل » میں اور امام البخاری کی طرف سے ابن ابی حاتم کے کلام میں آیا: (میں نے اپنے والد اور ابوزرعہ سے سنا پھر ظاہر ہوا

جب محمد بن یحیی النیساوبوری نے انہیں لکھا: کہ اس نے کہا کہ لفظ قرآن مخلوق ہے!! اور یہ محمد بن یحیی وہی الذہلی ہے

ان کے ہاں

(۱)۳:۰۲۳۹

(۲)۲۱:۲۸

۳(۳۶۴:۳۸)

(۱۰۸۶(۷)۴).

شیخ البخاری و مسلم، اور البخاری کے ساتھ جو کیا گیا اس کے نتیجے میں جو آثار بر آمد ہوئے وہ معروف ہیں، میں انہیں اکھاڑنا پسند نہیں کرتا۔

پس یہ تاریخ کا ایک تکلیف دہ صفحہ ہے جسے بند کر دینا چاہیے اور سنانا نہیں چاہیے، اور امت کے عقل مندوں پر واجب ہے کہ اس کے آثار کو سطور سے پہلے سینوں سے دھوئیں، کیونکہ ہم اب تک اس کے آثار میں جی رہے ہیں اور اس کی تلخی بھگت رہے ہیں!۔

اور ساتھ ہی

باب ششم

اس کی سخت مزاجی کی وجہ

اس کے جو جوابی ردود جو علماء اکثریت کے عمومی لاین کے خلاف ہونے والوں پر تھے

جو کوثری کو پڑھتا ہے—اور جو کُھٹ سے آگے کیا ہے اسے نہیں جانتا—وہ اسے سخت، حملہ آور سمجھتا ہے، اور جب قاری خبریں اور خبروں کے پس منظر کو جان لیتا ہے—جیسا کہ « تأنیب الخطیب » کے بارے میں گفتگو میں آئے گا—تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ کوثری اس معاصر تاریخ میں سنت، حق اور دین کا ناصر ہے، اور کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور شیخ الاسلام مصطفی صبری رحمہا اللہ کو قاہرہ بھیجا—جو عربی دنیا میں علمی و فکری مرکزِ ثقل ہے—ایک عظیم حکمت کے لئے، جو مصر میں علم و فکر کی حفاظت ہے، اور اس کے پیچھے: بالخصوص عربی اور عمومی طور پر اسلامی دنیا، اور وہ مرحوم اپنی علمی و دینی مقام کی اہمیت سمجھتے تھے،

اس لئے وہ اپنے حریفوں کے ساتھ نرمیت نہیں جانتا تھا، کیونکہ وہ اللہ کے لئے ان سے لڑتا تھا، اور دینِ اللہ کی نصرت کے لئے، نہ کہ اپنی ذات اور دُنیا کے لئے۔

باب ہفتم

میں نے جن کے تناقضات کو نمایاں کیا ہے ان کے موقف اور ان کے جوابات

شاذ لوگ جو اکثریت علماء کے عقیدہ اور شریعہ سے ہٹ جاتے ہیں، وہ اپنی بدعت میں دائیں اور بائیں کو منحرف ہوتے رہتے ہیں، اور انہیں کسی چیز کا خیال نہیں ہوتا جسے کہا جائے: کسی اصول پر ثابت قدم رہنا؛ اسی لئے کوثری جہاں وہ منحرف ہوتے محاصرہ کرتا تھا، تو اس پر خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جرح و تعدیل، رد و اعتماد میں ایک واحد قول پر مستقل نہیں؛ اور میرا خیال ہے کہ اس میں جن پر تناقض کا شبہ کیا جاتا ہے ان کے دلائل بہت ہیں، اور میں ان میں سے چند مثالیں دِکھاؤں گا۔

پہلی مثال: کوثری نے اپنے مقالہ « محق التقول فی مسألۃ التوسل » (۱) میں ایک راوی کا ذکر کیا جس کا نام محمد بن حمید الرازی تھا اور اس کے بارے میں اس نے یہ کلام مکمل طور پر نقل کیا: « اور ابن حمید سلسلہ میں: وہ محمد بن حمید الرازی ہے

نہیں

'

رجحان میں، برخلاف اس کے جو التقی سبکی نے سمجھا، مگر یہ رازی جیسا کہ ابن عبد الہادی نے بیان کیا ہے، وہ اس حال میں ہے کہ اس نے ان سب کے قول کو جمع کیا جو اس کے بارے میں بات کرتے ہیں، اور اس نے اس کے ستائش کرنے والوں کی بات کو نظر انداز کیا، اور وہ اُن تین میں سے ایک ہے جو ابن تیمیہ سے وصل ہوئے، اور وہ نوجوان ہیں، ان کے ساتھ وہ دھوکہ کھا گئے اور وہ گمراہ ہوئے، وہ جرح کا ذکر کرتا ہے اور ان ادلّہ میں جو اس کے شیخ کے بدعات کے خلاف پیش کی جاتی ہیں تَعدِیل کو غفل کرتا ہے »

(۱) ص ۲۹۳ از « المقالات ».

اور یہ محمد بن حمید: ابو داود، الترمذی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل اور یحیی بن معین نے اس سے روایت کیا۔ ابن ابی خیثمہ نے کہا: ابن معین سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: ثقة، کوئی برا نہیں، رازی ہوشیار ہے، اور احمد نے کہا: جب تک محمد بن حمید رہے گا رَیّ میں علم رہے گا، اور اس کی تعریف کرنے والوں میں الصاغانی تھا، اور الخلیلی نے الارشاد میں کہا: وہ حافظ عالم تھا اور اس میں اہلیت تھی

((

اور الذہبی نے اس کے متعلق کہا: رضیہ احمد اور یحیی، اور البخاری نے کہا: « فیہ نظر »، اور اس خبر میں اس کا مانند متّہم نہیں »۔ خاتمہ کلامِ شیخ۔

اور یہ کلام انتہائی امانت داری میں ہے:

اولاً: اگر کوثری مغالطہ کرنا چاہتا تو اس نے التقی سبکی کے کلام کو مضبوط کرنے کی کوشش کی ہوتی، مگر وہ امانتدار اور صاف گو رہا۔

ثانیاً: اس نے ابن عبد الہادی کے کلام میں سے کسی اعتراض کو رد نہیں کیا، بلکہ اس نے اس پر ملامت کی کہ اس نے صرف جرح پر اکتفا کیا اور تعدیل کو غفل کیا، اس لئے اس نے اس میں جتنا تعدیل تھا وہ نقل کیا۔

ثالثاً: اس نے قولِ البخاری « فیہ نظر » نقل کیا، اور کوثری اس لفظ کی قدر بخوبی جانتا تھا، اس لئے اس کے پیچھے اس نے کہا: « اور اس جیسا اس خبر میں متّہم نہیں »، اور اگر وہ مغالطہ کرنا چاہتا تو اس نے اس پر خاموشی اختیار کی ہوتی۔•

اور جب کوثری نے اپنا مقالہ « کلمة عن خالد بن الولید رضي اللہ عنہ و قتل مالک بن نویرہ » لکھا، اور اس نے چاہا کہ مستشرقین کی چالوں کو بے نقاب کرے اور اُن کی جعل سازی اور تاریخ و سیر کی بعض کتابوں کی خبر سے شبہات کو چن چن کر نکالے، اُس نے سیر و تاریخ کے بڑے بزرگوں کی حالت بیان کی، اور اُن میں سب سے اول محمد بن اسحاق تھا۔

اس نے اس کی حالت کی طرف اشارہ کیا، اور اس کے اول راوی زیاد البکائی کی حالت، اور اس کے دوم راوی سلمة بن الفضل الرازی کی حالت، پھر کہا: « اور اس سلمة کی راوِی: وہ محمد بن حمید الرازی ہے جس پر اختلاف ہے، اور اسے بہت سے لوگوں نے سخت ترین کذب سے جھٹلایا،

اور اسی طرح ابن جریر الطبری اپنے طریقہ سے ابن اسحاق کی روایات پیش کرتا ہے »۔

تو دیکھیے دونوں کلاموں کا مفہوم اور خلاصہ، مگر دیکھیے دونوں سیاق و سباق میں پیش کش کس طرح ہے۔

جو میں نے لفظی اور موافقاً امام کوثری سے نقل کیا ہے وہ آتا ہے صاحب کتاب « سلسلہ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ » (۲) اور وہ کوثری کے پہلے کلام کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے: « محمد بن حمید الرازی کوثری کے نزدیک راجح ہے، پھر کوثری نے ابن معین کی توثیق، اور احمد اور الصاغانی اور الذہلی کی تعریف پر اعتماد کیا، اور جماعتِ امامیہ کے تضعیف کو نظر انداز کیا، بلکہ بہت سے اماموں کی طرف سے اُس کی تکذیب کو بھی، جیسے ابو حاتم، النسائی اور ابو زرعہ، اور اس نے واضح کیا کہ وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا تھا، اور جیسے ابن خراش نے اللہ کی قسم کھائی کہ وہ جھوٹا تھا، اور صالح بن محمد الاسدی نے کہا: جو کچھ بھی ہمیں ابن حمید بتاتا ہم اس میں اس پر شک کرتے تھے، اور کہا دوسرے مقام پر: اس کی احادیث بڑھ جاتی تھیں، اور میں نے کسی کو اس سے زیادہ اللہ کے بارے میں جرات مند نہیں دیکھا، اور کہا بھی: میں نے جھوٹ میں دو آدمیوں کو سب سے زیادہ چالاک پایا: سلیمان الشاذکونی اور محمد بن حمید، وہ اپنی پوری حدیث حفظ کرتا تھا۔ ابو علی النیساوبوری نے کہا: میں نے ابن خزیما سے کہا: اگر استاد نے محمد بن حمید سے نقل کیا، تو احمد نے اس کی اچھا ستائش کی! تو اس نے کہا: وہ اسے جانتا ہی نہیں تھا، اور اگر وہ اسے جیسا ہم نے جانا ہوتا تو اس کی قطعا تعریف نہ کرتا » ۔

(۱) ص ۴۵۶ از « المقالات ».

(۲) ۱:۰۹۲

تو یہ نصوص — اور کلام سلسلہ ضعیف کے مصنف کا کلام جاری ہے — یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آدمی حفظے کا تھا مگر جھوٹا تھا، اور جھوٹ جرح کے سب سے مضبوط اسباب میں سے ہے اور واضح ترین ہے، تو پھر شیخ — کوثری — نے کیسے جائز سمجھ لیا کہ ایک جگہ جرح مفسّر پر تعدیل کو مقدم رکھ دے جبکہ یہ اس کے عقیدہ کے خلاف ہے؟! یہ بات اُن لوگوں کے لئے جو اس کی سنت اور اہل حدیث کے حامیوں کے بارے میں اس کی جانب داری اور ان کے خلاف سخت دشمنی کی مقدار جانتے ہیں واضح ہے،

(1)

اللہ نے اسے معاف کرے اور بخش دے » ۔ ختم۔ اور قارئ معزز کو ارشاد کیا جاتا ہے کہ وہ کوثری کے کلام پر دوبارہ غور کرے: کیا وہ وہاں ابن معین کی توثیق اور احمد اور الصاغانی اور الذہلی کی ستائش پر واقعتاً اعتماد کرتا ہے، یا اُس نے اسے اس آدمی کے حق میں انصاف کے طور پر پیش کیا بمقابلہ ابن عبد الہادی کے اس ظلم کے؟ اور کیا یہ درست ہے کہ اس نے جرح کی وضاحت پر تعدیل کو مقدم رکھا؟ اور کیا کوثری سنت کے سچے ناصروں کے خلاف تعصب میں سخت تھا، یا ان دعویداروں کے خلاف، جو سنت کے خلاف تھے، یعنی وہ جو تصوف کے مخالفین ہیں اور اپنے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں؟؟

۵۶۱،313،

،جیسا کہ تنبہ دیا گیا

(1) مراد: یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور اس تعبیر میں معرفت کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا جائز نہیں، جس کی طرف راغب نے بھی اپنی « مفردات » میں تنبیہ کی۔ اور (مُجتہد العصر!) کی معرفت کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا یہاں، جیسا کہ اس کے دیگر متون میں « العصمہ اللہ تعالیٰ » کہنے جیسا ہے، اور ہم اللہ سے سلامتی اور نافع علم طلب کرتے ہیں، اور (مجتہد العصر) اور اس کے پیروکاروں سے کہ پہلے وہ یہ سیکھ لیں کہ کن چیزوں کا اللہ تعالیٰ سے نسبت درست ہے اور کن کا نہیں، اس سے پہلے کہ وہ فقیہ کے بہت سے احکام سیکھیں اور اجتہادی اماموں پر طعن کریں، اس کی اصلاح اور اُس کی تخطیہ کریں!!۔

اور کیا کوثری اہل حدیث سے شدید دشمن تھا، یا وہ اہل علم و سنت و حدیث اور فقہ اور سلف کے عقائد کے شدید حامی تھے جو تشبیہ و تجسیم سے دور ہیں؟؟ اور یہ عجلتیں شیخ الالبانی میں بھی کثرت سے ہیں، بلکہ وہ اسی لئے معروف ہے۔

دوسری مثال جس میں کوثری پر تناقض کا شبہ کیا جاتا ہے: اس کا قول جب اس نے الحجاج بن ارطاۃ کا ذکر کیا: « فی ابن ارطاۃ کلام، الا ان الترمذی حسن بعض حدیثہ » (۱)، اور اس کے ساتھ اس کا قول مقالہ « اسطورت الاوعال » (۲) میں: « ان ابن دحیہ کہتا ہے: کتنا الترمذی نے موضوعۃ اور واھیہ اسناد میں سے اچھا کر دیا! » اور اسی طرح اس نے الذہبی کا وہ کلام نقل کیا جو عنوین بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف کی ترجمت میں تھا۔

سب سے پہلے: وہ الترمذی کے کچھ احادیث الحجاج بن ارطاۃ کے حسن کی طرف رجوع کرتا ہے، اور دوم: وہ اس قول کو نقل کرتا ہے جو کہتا ہے: بعض جو الترمذی صحح کرتا ہے یا اسے صحیح قرار دیتا ہے وہ موضوع یا واھیہ ہوتا ہے۔

میں تاکید کرتا ہوں کہ یہ تناقض نہیں، بلکہ یہ اس تحقیق کی مراعات ہے جو امت کے اکثریت علماء کے طریق کار سے متعلقہ ہے، استحکاماً اور تقویماً، ایجاباً و سلباً، ایجاباً: جیسا کہ ان کے درمیان لیلۃ النصف من شعبان کی فضیلت کے اعتماد میں ہے، یا سلباً و تنقیداً: جیسا کہ ان کا موقف « اسطورت الاوعال » سے ہے۔

(۱) مقالہ « لیلۃ النصف من شعبان » ص ۵۰

(۲) ص ۱۳۱۱ از « المقالات ».

اور وعل: پہاڑی بکرا ہے، اور مذکورہ حدیث — جو روایتِ العباس بن عبد المطلب رضي الله عنه سے ہے — کہ عرش اوعال کے پشتوں پر رکھا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے، اور ابو ہریرہ کی حدیث — جو عبّاس کی حدیث کے قریب ہے — میں اس منکر کا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اس کے باوجود احمد کے ہاں عبّاس کی حدیث کے سند میں (۱) یحیی بن العلاء ہے، اور امام احمد نے خود کہا: وہ کذاب ہے اور حدیث وضع کرتا ہے!!

پس دونوں مواقع — یا موافقتیں — مختلف ہوئیں، اسی لئے کوثری کا موقف الترمذی کے احکام سے مختلف ہے۔

اور تیسری مثال: امام کوثری اکثر کہتا ہے کہ وہ ابن حبان کی توثیق پر اعتماد نہیں کرتا، بلکہ بعض اوقات کہتا ہے: وہ مجھولوں کو بھی توثیق کرتا ہے، اور میں یہاں اس پیچیدہ مسئلے پر رائے دینے کی جگہ نہیں رکھتا (۲)، مگر جواب دینے کے مقام میں کوثری کا ابن حبان کی توثیق کے بارے میں دوسرا موقف یہ ہے:

اس نے « العید والجمعۃ » کے مقالے میں ابن حبان کی توثیق پر اعتماد نہ کرنے کا ایک بار پھر اقرار کیا (۳)، جب ایک ہی دن میں عید اور جمعہ کی نماز ایک ہی دن ہوں، کیا مسلمان کے لئے کافی ہے کہ وہ صرف عید پڑھے اور اسی سے جمعہ کی نماز مقتضی سمجھی جائے، اور نتیجہ یہ کہ عید کی نماز جمعہ کے اور ظہر کی نماز کے لئے کفایت بخش ہو، اور اس نے قرار دیا کہ حنبلی مذہب کے مطابق عید کی نماز صرف جمعہ کا کفایت بخش ہے، اور ظہر ضروری ہے، اور متمذہب حنبلی مذہب کے ساتھ وہی کرے جو اس کے مکتوب میں درج ہے۔ مگر اس نے فقہی لحاظ سے مسئلے کے تقریر کے بعد کہا: « وَبِهٰذَا ظَهَرَ مَذْهَبُ الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ وَ أَضْحَابِهِمْ، وَمَذْهَبُ الظَّاهِرِيَّةِ، وَدَلِيلُهُمُ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ الْمُسْتَفِيضَةُ، وَالْعَمَلُ الْمُتَوَارِثُ وَالْإِجْمَاعُ فِي فَرْضِيَّةِ الْجُمُعَةِ عَلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ مِنَ الرِّجَالِ غَيْرِ الْمَعْذُورِينَ فَرْضًا عَامًّا » ۔

اور جب اس نے فقہی طور پر مسئلے کا تقریر کیا تو اس نے ایاس بن اَبی رَملَہ اور یحیی بن خلف الباہلی کو دلیل میں ذکر کیا: ابن حبان نے انہیں اپنی طریقہ میں توثیق کیا، اور اُن دونوں کی حدیث رد کر دی گئی، تو ابن حبان کی توثیق نے اسے قانع نہ کیا، مگر یہ تناقض نہیں کہ اس نے « محق التقول » (۱) میں الشہاب البوصیری کے فضل بن الموفق کے تضعیف پر تبصرہ میں کہا: « قال ابو حاتم: صالح ضعیف الحدیث، ولم یضعفہ سواہ، وجرحہ غیر مفسّر بل وثقہ البستی » (یعنی: ابن حبان)۔ نیز اس کے کلام پر دونوں مواقعوں میں دیکھیے: ایک مقام دفاعِ مذہبِ جمھور اور ان کے ساتھِ عملِ متوارِث، اور ایک مقام کسی مسلّم مسئلے کی دلیل کی تائید — اور ان کے مخالفین کا رد۔

(۱)ص ۳۹۳۔

(۲)

(۲)میں نے مقدمۃ « مصنّف ابن أبي شیبہ » ۱:۷۷-۱۰۱ میں جو میں سمجھتا ہوں لکھا کہ میں ابن حبان کی توثیق کے اعتبار کو درست سمجھتا ہوں، اور وہ مبالغہ نہ تھا، اور وہ مجہولوں کی توثیق کرنے والوں میں شمار نہیں ہے۔

(۳)در « المقالات » ص ۱۶۴، ۱۶۷.

اس پہلو کے متعلق کوثری کے تحریروں کا تتبع اپنے زمانے کے شیخ احمد الصدیق الغماری نے اپنے ایک کتاب میں کیا جس نے اپنے آپ کو دوناموں سے موسوم کیا: « بیان تلبیسِ المفتری » یا « ردّ الکوثری علی الکوثری » ، اور اس نے اس پر کلام کا بہت اختصار کیا، اور اس کے لئے ایک مقدمہ بھی لکھا۔

کوثری نے « التأنیب » (۱) میں سُیوطی کا ایک کلام نقل کیا جس میں حدیث ہے: « لو کان العلم معلّقاً بالثریّا لتناولہ رجال من أبناء فارس » ، اور کوثری نے اپنے آخر کلام میں کہا: « ومن وھی الحدیث من أبناء ھذا العصر فقد اساء إلی نفسہ، وحاد عن سبیل أھل العلم... » ، اور پہلے الغماری نے اس روایت اور الفاظ کی بطلان پر ایک کتاب تصنیف کی تھی، تو اس نے سمجھا کہ کوثری اس کی طرف اشارہ کر کے اُسے نشانہ بنایا!!! جیسا کہ الغماری خود نے کہا—اور اس کی کتاب اُس وقت غیر مطبوع تھی—اور آج بھی اس کتاب کے مقدمہ میں یہی ہے،

کہ کہا جائے: کوثری نے اُس کا مطالعہ کیا اور اُس کی طرف اشارہ کیا، اور نہ تو یہ کوئی قدیم کتاب ہے کہ کہا جائے کوثری نے اس کی مخطوطہ پڑھی، بلکہ کوثری احمد امین کو مراد رکھتا تھا، جیسا کہ استاد احمد خیری نے کوثری کے شاگرد نے بتایا کہ وہ کوثری سے ان ابہامات کے بارے میں پوچھتا تو شیخ جواب دیتا اور یہ فوائد اپنی نسخہ « التأنیب » پر درج کرتا تھا۔

اور الغماری کی اس ظن کے باعث اس کی معروف خفگی نے اسے اٹھادیا، اور وہ کتابوں کے نام سمیٹنے لگا تا کہ ان میں سے اسے الکوثری کے خلاف تصنیف کرے، اور اس نے ان میں سے ایک لکھنی شروع کی جس کا نام رکھا « بیان تلبیس المفتری » ، اس میں اس نے ہاتھ سے بانوے صفحات لکھے، اور ظاہر ہے آخری میں کلام کا منقطع ہونا اور تکمیل کا نہ ہونا

(۱)

اور کوثری کے تضادات—الغماری کے تتابع کے مطابق—تقریباً ستر کے قریب پہنچ گئے، مگر یہ سب جوابات سے باہر نہیں جاتے جو میں نے پیش کئے۔ پھر انجام یہ ہوا: شیخ الغماری نے اپنے مزاج کو ٹھنڈا کیا، اور اس نے اپنی تحریر کو مکمل نہ کیا اور اس سے رجوع کر لیا، اور وہ کوثری کے پاس گیا اور اس سے معافی مانگی اور دونوں کے درمیان صلح کرائی گئی۔

اور میرے اور فضیلۃ شیخ عبد اللہ التّلیدی حفظہ اللہ کے درمیان ملاقاتیں ہوئی اور ہم ایک ملاقات میں تفصیلاً گفتگو کرتے رہے—وہ الغماری کے خاص شاگردوں میں سے ہے—اور میں نے اُس سے پہلی ملاقات میں مدینہ منورہ کی حرمِ نبوی میں ۴/۹/۱۴۰۷ ہجری کو پوچھا، میں نے کہا: مجھے یہ خبر ملی کہ شیخ احمد رحمہ اللہ نے کوثری سے معافی مانگی اور صلح ہو گئی؟ تو اس نے کہا: ہاں، اور وہ کوثری کے بارے میں کہتا تھا: محدث مطلع محقق، میں نے اس کی تصدیق کی اور کہا: وہ کہتا تھا: محدث؟ تو اس نے کہا: ہاں وہ کہتا تھا: وہ محدث مطلع محقق ہے۔

(۲)

(۱) حالانکہ جب الغماری نے اسے اپنے کتاب « ازالۃ الخطر » کے آخر میں اپنی تصنیفات کے نام کے ساتھ ذکر کیا تو کہا: اس کی مقدمہ ایک جلد میں مکمل ہو چکی!۔(۲) اور میں نے سوال کو اس لئے دہرایا اور دوہرایا تا کہ الغماری کے قول « اخي الشیخ احمد—في سبیل التوفیق » کے بارے میں پوچھ سکوں کہ اس نے کہا تھا کوثری کے بارے میں: وہ محدث نہیں تھا!۔ اور شیخ احمد کا مقام علمی طور پر معروف ہے اور اس کا مزاج بھی معروف ہے، اس لئے اس سے عجیب نہیں کہ وہ کوثری سے صلح کر لے جب کہ اس نے اپنے مذکورہ کتاب میں اس کے بارے میں جو کہا تھا وہ کہا تھا ص ۵۱، ۵۹، اور اس کا یہ کتاب تصنیف بھی!! اور الغماری سے جو لازمی سوال ہے: کیا ایسے شخص کے ساتھ تصالح اور مصافات جائز ہے؟!۔

اور میں نے اس سے پوچھا « بیان تلبیس المفتری » کے بارے میں: کیوں شیخ نے اپنی تصنیف مکمل نہ کی: کیا یہ اس کے مصروفِ علمی کے سبب تھا، یا اس کے اس سے رجوع کرنے کی وجہ؟ تو اس نے کہا: بلکہ اس نے اس سے رجوع کیا، اور اگر شیخ زندہ ہوتا تو وہ انہیں اس کی طباعت نہ کرنے دیتا۔ ایک اور ملاقات ۹/۹/۱۴۲۲ ہجری کو خاص طور پر اس کتاب کے بارے میں ہوئی۔

اور فرصت باز یا مخالفین نے الغماری کی یہ کاغذات جو اس نے لکھے تھے تلاش کر کے انہیں چھاپ ڈالا اور ان کو پھلایا اور بڑا کر کے کہا: احمد الصدیق نے کوثری کے خلاف ایک جلد ۳۸۷ صفحات کی کتاب لکھی!! اور میں کہتا ہوں: مجھے معلوم نہیں کہ کیا کوثری کے مخالفین حق و حقیقت کے طالب تھے: تو انہوں نے خبر کو پورا کیوں نہیں لیا؟؟ اور میں پوچھتا ہوں: کوثی میں کون سی امانت و انصاف ہے؟؟

اور ہم اللہ سے صداقت، امانت، انصاف اور غضب و رضا میں عدل مانگتے ہیں۔

(1)

اور مقام کی مراعات کی مشروعیت کے عند نقاط پر تیسری توقف ضروری ہے، جیسا کہ ہم نے اسے امام کوثری میں دیکھا ہے۔

(۲)

۱- پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بعض افاکین صحیح اسناد کے ساتھ بھی خبریں گھڑ سکتے ہیں، اور اس کی دلیل وہ ہے جو ابن عساکر نے انس سے مرفوع بیان کیا کہ: « خُلق الورد الأحمر من عرق جبریل لیلۃ المعراج، وخُلق الورد الأبیض من عرقي، وخلق الورد الأصفر من عرق البراق » ، ابن عساکر نے کہا: (یہ حدیث موضوع ہے، ایک نادان نے اسے گھڑ کر اس صحیح سند پر جوڑ دیا)۔

پس اسناد کی صحت محدثین اماموں کو فریب نہیں دینی چاہیے، بلکہ متن کی عام دینی قواعد کے مقابلے میں ان کی مراعات ضروری ہیں۔

۲- اگر الفاظ اس عام دینی قواعد کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں، اور اس کی سند کمزور ہو، تو وہ اسے تقویت دینے اور معاونت کرنے کی تلاش کرتے ہیں، یا دوسرے اسناد کے ذریعے، چاہے وہ کمزور ہی کیوں نہ ہوں، یا اس کے معنی کے عام شواہد کے ساتھ۔

۳- اگر نہ یہ ممکن ہو نہ وہ، تو پھر وہ اِس بات پر غور کرتے ہیں کہ اسے قبول یا اس کے مطابق عمل کیا جائے یا نہیں؛ اور یہ اہم امر ہے، جس پر پیش رو و متاخر اماموں نے دھیان دیا، اور معاصر ظاہری علماء نے اپنے شیخ استاد ناصر الالبانی کے زیر اثر اس کو غفلت میں چھوڑ دیا۔

۴- اور ایک اور دلیل۔ اللہ تعالی نے سورۃ التکویر میں فرمایا: إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (۱)

ان کریم آیات میں اللہ عزوجل واضح کرتا ہے کہ قرآنِ کریم ایک کریم فرشتہ کے ذریعے نازل کیا گیا ہے، اور یہ نازیل پر نازل ہوا ہے، اور یہ شیاطین کے وھم اور وسوسوں سے نہیں جیسا کہ قریش دعویٰ کرتی تھی، اور جب مقام یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس فرشتے کے بارے میں جو قرآن لایا — نہ کہ نازل ہونے والے نبی کے بارے میں — تفصیل سے ذکر

کیا جائے تو اللہ نے اس کے لئے چھ صفات بیان فرمائیں، اور نازل ہونے والے نبی کی صفات میں سے کچھ بیان نہیں کیں، سوائے یہ کہ اس نے قریش کے اَتھامِ جنون کو صرف انکار کیا، اسی لئے فرمایا: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ... إِلَى آخِرِ الْآيَاتِ السَّابِقَةِ﴾، پس یہ مقام و مناسبت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مراعات ہے۔

اور اس مراعات و مناسبت کی غفلت سے (1)

الزمخشری نے اپنے تفسیر میں غلطی کی اور کہا کہ ان آیات میں جبریل کی فضیلت کی طرف دلالت ہے نسبتاً نبی ﷺ کے مقابلے میں۔

اور میں کہتا ہوں: اگرچہ یہ قرآنی استشہاد مقام کی مناسبِ مثبت مراعات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، تو بھی امت کے عوام علماء کے مروی طریقِ عمل کی نصرت مقام کی مراعاتِ منفی و مثبت کی ضرورت کو یقینی بناتی ہے، یعنی قابلِ تضعیف چیزوں کو تضعیف کرنا، اور جو مضبوط کیا جاسکتا ہے اسے مضبوط کرنا، کیونکہ عوام جو طریقے اپناتے ہیں وہ لازماً قرآنی و نبوی ثوابت پر مبنی ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر جب حماد بن سلمۃ کسی صفات کی حدیث میں آتا ہے جو امت کے عقیدہِ توحید اور الحادّیہ کے خلاف ہو، تو کوثری ان کا سختی سے رد کرتا ہے، اور وہ اپنے ربیب عبد الکریم ابن ابی العوجاء المجسّم کی کتابوں میں جو حماد کے کچھ احادیث اس کے بدعت کے موافق ہیں انہیں گھسائے جانے کی کہانی بیان کرتا ہے، اور اگر وہ انہی کے بارے میں دیگر اسناد میں آتا ہے تو وہ اس کا عمومی حکم لگاتا جو امام حدیث کے مطابق ہے: ضابط — ثابت البنانی، متغیر فیما یرویہ عن غیر ثابت۔ اور یہ انصاف کا ترازو ہے۔

(1): 191

کوئی شبہ نہیں

اور میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ امام الکوثری کا کسی راوی کے متعلق ایک موقع پر موقف بدل دینا قدیم ائمہ کا عمل ہے، اور یہ کسی تضاد کا باعث نہیں بنتا۔ میں اس کی تصدیق امام بخاری کے موقف سے بھی کرتا ہوں جیسا کہ وہ "صحیح" میں آیا۔ انہوں نے (رحمہ اللہ) باب ۱۹ کتاب العلم میں لکھا: "باب الخروج فی العلم، ورحل جابر بن عبد اللہ مسیرۃ شھر إلی عبد اللہ بن أُنیس فی طلب حدیث واحد"۔ پھر انہوں نے کتاب التوحید میں باب ۳۲ میں لکھا: "ویُذکر عن جابر، عن عبد اللہ انیس قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: 'یحشر اللہ العباد فینادیھم بصوت یسمعہ من بُعد کما یسمعہ من قُرب: انا الملک، انا الدیان'."۔ تو انہوں نے پہلے مقام میں اس حدیث کو قطعاً معلّق قرار دیا، کیونکہ وہ سفر طلبِ علم کے سیاق میں ہے، مگر جب موضوع عقیدہ اور اللہ تعالیٰ کے صفاتِ صوت کو ثابت کرنے کا ہے تو انہوں نے اسے بَیّن کرنے والی صورتِ تمریض سے نقل کیا، اور یہ یہی چیز ہے: ہر موقف کو اس کا حق اعتبار دینا یا نہ دینا، اور حدیث کو صحیح (البخاری) کے نام مروجہ طریقے سے منتسب کرنا اور خاموش رہ جانا، بغیر اس کے کہ بخاری نے اسے کس صورت میں ذکر کیا، جیسا کہ بعض لوگوں کے ساتھ واقع ہوا۔

اور میں یہی بات الکوثری کے بعض علما کے بارے میں ایک مقام میں موقف بدلنے کے سلسلے میں کہتا ہوں: کچھ جگہوں پر آپ اُن کے عثمان بن سعید الدارمی صاحب "نقض الدارمی علی بشر المریسی"، اور عبد اللہ ابن امام احمد صاحب "کتاب السنۃ"، اور ابن خزیمہ صاحب "کتاب التوحید"، اور امام الحرمین صاحب "مغیث الخلق"، اور الخطیب البغدادی کی امام ابی حنیفہ پر کتابِ "تاریخ بغداد" میں لکھی گئی سیاہ ترجمہ کے خلاف سخت غُضب دیکھتے ہیں۔

لیکن آپ یہ سختی انہیں ایک باب میں دیکھتے ہیں اور دوسرے باب میں نہیں؛ یعنی عثمان الدارمی کی جو جرح وتعدیل ابن معین کے بارے میں روایات میں ہے اس میں نہ خود کوثری اور نہ کوئی دوسرا عثمان الدارمی کی روایات کے بغیر کام چل سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی اپنے آپ کو عبد اللہ ابن امام احمد کی وہ روایات جو وہ اپنے والد کے بارے میں بیان کرتا ہے، کے بغیر جان سکتا ہے، بلکہ مسند کی نقل اور تخریج میں —جو اس کی اپنی روایت ہے— اور نہ کوئی "صحیح ابن خزیمۃ" کے بغیر کام چل سکتا، اور نہ امام الحرمین کے فقہ، اصول اور عقائد میں اس کے بغیر۔ بلکہ خود الکوثری نے بھی امام الحرمین کی تألیفات میں سے "العقیدہ النظامیۃ" کا طباعتِ نسخہ کیا تھا۔ اسی طرح ہم نے اس کا موقف امام غزالی اور الفخر الرازی کے بارے میں بھی دیکھا، رحمھم اللہ تعالیٰ جمیعاً۔ اور اسی طرح الخطیب البغدادی کے بارے میں بھی، کوئی بھی ان کی کُتبِ عامہ سے اور خصوصاً "تاریخ بغداد" سے خالی نہیں رہ سکتا، بلکہ خود الکوثری نے "التأنیب" کی مقدّمہ میں اُن کے بارے میں کہا: "ھو من جیاد کتبہ"، اور اپنی "مقالات" میں "الفقیہ والمتفقہ" کے بارے میں کہا کہ یہ طبیعتاً الخطیب کی کتابوں میں ازاں زیادہ مستحق ہے، ساتھ ہی اس نے "التأنیب" کی مقدّمہ میں اس کے بارے میں جو کچھ سنایا وہ بھی ہے۔ اور وہ امام غزالی اور الرازی کو کچھ فاسد خبروں کو نقل کرنے پر ملامت کرتا ہے، جن سے ان کے بعض آراء میں بھٹکاؤ پیدا ہوا، مگر وہ ان کی کتبِ اصولِ دین اور فلسفہ و فرقہ بدکاروں سے عقیدہ کی حفاظت میں ان کی کتب سے صرفِ نظر نہیں کرتا۔ رحمھم اللہ۔

اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں: امام محمد زاہد الکوثری کا طریقِ کارِ نقد الرجال یہ ہے کہ وہ ہر راوی یا عالم کی حقیقی تصویر پیش کرتا ہے، اور اس کی تخصیص معلوم کرتا ہے کہ کون سی بات میں وہ قابلِ اعتبار ہے اور کس میں نہیں؛ مثلاً فلاں فلاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے آزمائش میں اعتقاد میں ثابت قدمی دکھائی، اور فلاں ایسے ہیں جنہوں نے عذاب کے خوف سے ایسا کیا، فلاں متأثر ہے اور اہلِ رائے سے منحرف ہے، فلاں مشبہہ کی راہ پر ہے، فلاں حدیث گو ہے مگر فقیہ یا متکلم نہیں، اور فلاں متکلم ہے مگر محدث نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اور اس بے باک، صریح، اور درست نقد کے ذریعے علم و دین اور اُن کے اہل کی صاف تصویر حق و انصاف کے ترازو سے سامنے آتی ہے، نہ کوئی انحراف نہ کجی، خاص طور پر بابِ عقائد میں، پھر بابِ تشریع اور احکامِ فقہ میں۔ الکوثری اپنے فرعی مباحث میں کشادہ صدر تھا بشرطیکہ اس کی مباحثہ سے یہ تاثر نہ ملے کہ وہ مذہب کے امام سے منحرف ہے، کیونکہ اس سے منحرف ہونا قومِ اعظم کے عمومی خط سے انحراف ہے جنہوں نے امام کو امامت سے تسلیم کیا، اور نہ خود الکوثری اور نہ کوئی دوسرا یہ سمجھتا کہ کسی مکتبِ فکر کا امام ہر وہ بات جس کی طرف اس نے رجوع کیا معصوم اور صحیح ہے۔

باب دوم

اہم کتبِ الکوثری الرجالی: "تأنیب الخطیب"۔

اور اس میں چار ابواب ہیں۔

باب اوّل: سببِ تحریرِ "تأنیب الخطیب" اور کچھ ملابسات۔

باب دوم: "تأنیب الخطیب" کا عمومی عرض۔

باب سوم: ایک کلمہ علامہ عبدالرحمن المعلمی اور اس کی کتاب "التنکیل" کے بارے میں۔

طلب اوّل: المعلمی کے "التنکیل" لکھوانے کی حقیقتِ وجہ۔

طلب دوم: "التنکیل" کی عمومی عرض۔ طلب سوم: المعلمی کا ندامت اور "التنکیل" سے رجوع۔

باب چارم: دونوں مردوں کے طریقِ کار اور کتب کے درمیان جوہری فرق۔

باب اوّل

سببِ تحریرِ و "تأنیب الخطیب" اور ملابساتِ دیگر

۱- امام ابو بکر الخطیب البغدادی حدیث وعلومِ حدیث کے وہ ائمہ ہیں جن کے فضل اور اثر کو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک فقہی پہلو کا تعلق ہے: ابتدا میں وہ مذہبِ امام احمد پر نشو ونما پائے اور انہوں نے — جو کچھ لکھا — امام احمد کے مناقب میں ایک کتاب تصنیف کی، پھر وہ مذہبِ امام شافعی کی طرف منتقل ہوئے، اور یہ انتقال — واللہ اعلم — قرنِ پنجم ہجری کے پہلے چہارم میں ہوا۔ امام ابن عبد البر — جو الخطیب کے عاصر تھے — نے اپنے زمانے کے حنبلیوں کے موقف کو امام ابو حنیفہ کے بارے میں اس طرح بیان کیا اور کہا: "وَعامۃ الحنابلۃ الیوم علی ذمہ"، پھر جب الخطیب نے شافعی مسلک اختیار کیا تو اس سے کچھ ہی قبل ابو حامد الاسفرائینی — شیخِ شیخ الخطیب — کی کوشش تھی کہ قضاء کو حنفیہ سے شافعیوں تک منتقل کیا جائے، اور پھر دو مکاتبِ فکر کے لوگوں کے درمیان سخت مباحثات ہونے لگیں۔ الخطیب وہ عصری، بلدی امام الحرمین صاحب "مغیث الخلق" ہے جس پر الکوثری نے "اِحقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق" لکھا، اور جس میں — جیسا کہ پہلے ذکر ہوا — امام الحرمین نے ہر مسلمان پر شافعی کی طرف تمذہب کو واجب قرار دیا، اور اس میں انہوں نے مذہبِ حنفی کے بارے میں بہت تلخ اور بد نما تصویر پیش کی۔ لہٰذا الخطیب دو فقہی مکتبوں کے لوگوں میں ان کے مابین نئے اختلافات کے سبب تھا اور ان کے ساتھ مکالمہ اور مصافحت میں کمی تھی؛ حنبلیوں کے نزدیک وجہ یہ تھی کہ ہر ذی حق کو اس کا حق نہ دینا، اور یہ کہ جن لوگوں نے مأمون کے زمانہ میں امام احمد کی آزمائش کے دنوں میں امتحان اُٹھایا اور جنہوں نے فقہ فرعیاتی طور پر امام ابو حنیفہ کے اصحاب سے سیکھا، اس سے یہ ضروری نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہم ابو حنیفہ کو اُن کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرائیں۔ اور شافعیوں کے نزدیک اس کا سبب بھی اسی دور کا کچھ تھا، بلکہ اس کا سبب ابو حامد الاسفرائینی کے عمل کا نتیجہ تھا۔ البتہ اس سے پہلے کے دور میں مکتبِ دونوں میں بہت محبت و مصافحت تھی۔ اور دنیا کا کون سا عالم اپنے مخالف کی فروعی اختلاف سے تنگ ہو جاتا ہے؟! اور جب الخطیب نے "تاریخ بغداد" لکھی تو اس میں ایک بہترین موقع ملا جس میں اس نے مذہبِ حنفی کے ائمہ کے تراجم میں اپنے فقہی منشأ کی نمائندگی کرنے کے لئے وہ تمام بد گوئیاں اور بد گمانیوں کو طویل بیان کیا، اور دکھایا کہ وہ محض نقل کر رہا

ہے، اور جرح وتعدیل کو سمیٹتا اور انصاف کے پردے میں ساری باتیں سنبھالتا، حالانکہ الذہبی نے اپنی "الکبائر" اور "تذکرۃ الحفظ" میں الخطیب کے بارے میں نقل کیا کہ وہ بعض قولوں کو جو اس کے نزدیک معتبر تھے مؤخر رکھتا، اور ترجمۃِ امام میں جرح کو مؤخر اور تعدیل کو مقدم کرتا رہا۔

اور بعض سابق علماء نے اس زشت ترجمہ کا رد کیا، اور پھر طباعت کا دور آیا اور "تاریخ" کی طباعت کا وقت آیا، جب تیسرہ عشرہ جلد جو ترجمۃِ ابو حنیفہ رکھتا تھا چھپنے لگا تو اس کے ناشر سید محمد امین الخانجی — جو الکوثری کا عزیز دوست تھا — نے الکوثری سے مل کر کہا: "اگر میں جانتا کہ الخطیب امام اعظم کے خلاف اس حد تک تعصب اور تہمت کرے گا جیسی باتیں میں نے دیکھی ہیں تو میں مرچوں کے ساتھ شریکِ مطبعہ نہیں ہوتا، مگر میں ایک قدم اٹھا چکا ہوں جس کا پلٹنا ممکن نہیں، تو میں کیا کروں؟"۔

الکوثری نے کہا: "ملک العلماء الملک المعظم عیسی بن ابی بکر الایوبی کا الخطیب پر ردّ ہے جو کہ دار الکتبِ مصریہ میں ہے اور ایک کاپی استنبول کی محمد اسعد کی لائبریری میں ہے، دونوں کا ایک کو دوسرے کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکتا ہے، لہٰذا 'تاریخ' میں ابو حنیفہ کی ترجمہ کے آخر میں اس ردّ کو ضمیم کیا جا سکتا ہے، اور وہ کافی ہے"۔ پھر انہوں نے اپنے شریکِ مطبعہ سے مشورہ کیا مگر انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی، بحیثیتِ تجارتی مصلحت، یعنی پھیلاؤ کو نقصان پہنچے گا۔ تو اس نے دوبارہ الکوثری سے رجوع کیا، الکوثری نے مختصر حواشی لکھ کر صورتِ حال کو نجات دینے کی کوشش کی بغیر اپنا نام ظاہر کیے، کیونکہ وہ موضوع کو وسعت سے نہیں لے سکا تھا، اور جو طباعتی ذمہ دار تھے وہ تجارتی مفاد کے زیرِ اثر الخطیب کے خلاف سختی برداشت نہ کرنا چاہتے تھے۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ کتاب میں میری حواشی میں مسامحت کر کے چھاپی گئی ہیں، اور پھر کچھ گمراہ اور جہالت میں مبتلا حشویہ دشمنانِ ائمہِ سنت نے دوسروں کے اشارے پر اور اپنی خواہش کے تحت حاشیوں میں مداخلت کر کے ان کا انداز بدل دیا۔ اور انہوں نے بتایا کہ یہ جلد کی مصحفی نقل میں اس کی حواشی میں تحریف کے ساتھ چھپی، اور مصری حکومت نے اس جلد کو ضبط کر لیا اور ازہری نگرانی میں دسلی دوبارہ چھاپی گئی، جس میں ملک المعظم کا ردّ بھی شامل تھا، پھر بھی یہ معاملہ اپنی مطلوبہ صورت میں نہ ہوا، تو شیخ نے اپنی کتاب "التأنیب" تصنیف کی۔

اور جو شیخ نے "التأنیب" پر تبصرہ کیا اس میں کہا: "اور عجیب ہے کہ میں نے 'تاریخ' کے مطبعِ ناظر سے سنا کہ بعض مشرقی محققین اور کچھ لوگ جو جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سلف کے منسوب ہیں نے انہیں اطلاع دی کہ اگر وہ کتاب کو کبریلی کی نسخہ سے چھاپتے رہے — جو کہ ابو حنیفہ کی ترجمہ میں غالب عیوب سے پاک ہے — تو وہ کھلے عام اعلان کریں گے کہ کتاب ناقص ہے، اس لئے اُنھوں نے مجبوراً دار الکتبِ مصریہ کی نسخہ اختیار کی جس میں خامیاں پوری طرح موجود تھیں، اور اس سے دونوں فریقین کے ساز باز اور تعاون کا پردہ کھل جاتا ہے، پس دیکھنے والے دیکھ لیں"۔

پھر الکوثری نے کہا: "میں نے ناشر کو ہدایت کی تھی کہ وہ کبریلی کی کاپی پر اکتفا کرے، اور ہر صفحہ کے نیچے یہ اشعار لکھ دے: 'یہی اس نسخہ کا اختتام ہے، اور دار الکتب کے پاس ایک ناقص نسخہ ہے جس میں اضافے ہیں، سب بدگمانیاں اور گالی گلوچ ہیں جن سے اہلِ علم بری ہیں' مگر طباعتی نے میری رائے قبول نہ کی کیونکہ انہیں مختلف قوموں اور اُن کے سرکردگان کی طرف سے انتباہات ملتے رہے جیسا کہ پہلے کہا، اور ناشر خود بھی بعد میں اپنے نہ لینے کی پشیمانی ظاہر کرتا رہا کہ اس نے میری رائے قبول نہ کی اور اپنے مقاصد والوں کی پیروی کی۔" اور اسی طرز کا کچھ "الترحیب" کی مقدّمہ میں بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے: الکوثری نے یہ کتاب تحریر کی تاکہ: ۱- امام پر لگائی گئی جھوٹی، ظلم آمیز بدگمانیوں کا دفاع کرے اور امام کا حقِ امت کے سامنے ادا کرے، اور کیونکہ الکوثری جیسی علم اور دلیل کی قوت رکھنے والا امام یہ فریضہ ادا کر سکتا تھا۔ ۲- اور دشمنانِ ابو حنیفہ کے سازشوں کو بے نقاب کرے۔ ۳- کیونکہ ان بدگوئیوں اور مسلسل حملوں کے

خلاف خاموش رہ جانا عوام الناس میں یہ تاثر پیدا کرے گا کہ مغرض جو پھیلا رہے ہیں وہ حقائق ہیں، اور اس سے ترازو پلٹ جائیں گے اور درستگی ممکن نہ رہے گی۔

اور مرادِ از حملاتِ متتالیہ سے مراد یہ ہے:

ا) ابو حنیفہ کی ترجمہ کو "تاریخ الخطیب" سے حاصل کر کے ہند میں عربی اور ہندی دونوں زبانوں میں چھاپنا، اور وہاں کے مسلمانوں کے درمیان حنفیت غالب تھی۔ ب) نیز "مصنف" ابن ابی شیبہ سے ابو حنیفہ کے خلاف رد کے باب کو نکالنا اور ہند میں چھاپنا۔ ج) پھر "نقض الدارمی" کی طباعت جس میں ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب پر جو رد ہے وہ خاص توجہ کا حامل ہے۔ د) اسی طرح "کتاب السنۃ" از عبد اللہ ابن امام احمد کی طباعت۔ ہ) "مغیث الخلق" امام الحرمین کی طباعت جس میں ہر مسلمان پر شافعی کی طرف تمذھب لازم کر ڈالا گیا اور مکتبِ حنفی کی توہین اور بہت ممنونہ کہانیوں کا ذکر کیا گیا۔ یہ سب کے علاوہ بعض اہم مسائل بھی ہیں مثلاً تین طلاقوں کو ایک طلاق ماننا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا انکار۔ اور ان کتابوں کے خطرات کو صرف امام الکوثری نے بے نقاب کیا، اللہ ان کا اجر دے کہ انہوں نے علمِ دین کی حفاظت کی۔

باب دوم

"تأنیب الخطیب" کا عمومی عرض

اور اس تاریخی عرض کے بعد میں "التأنیب" کے اہم مضامین کا عرض کرتا ہوں:

ا- الکوثری نے "التأنیب" کے لئے ایک قیمتی مقدمہ پیش کیا جس میں انہوں نے اس امتِ محمدیہ پر اللہ کے فضل کا ذکر کیا کہ انہوں نے ایسے ائمہ تیار کئے جو علم و عمل میں پیروی کے قابل ہیں، اور پھر امت کے ان کی پیروی کرنے کا ذکر، اور بعض ائمہ کے آپس میں علمی اخذ و اکتساب کا بیان اور ہر ایک کی خصوصیات کا ذکر کیا۔ اور انہوں نے اس کی ملامت کی کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پورے امت کو لازماً اپنے امام کی پیروی کرنی چاہیے، اور دوسری طرف وہ جو امام کی ہر اجتہادی رائے کو مطلق الصواب مانتے ہیں۔

پھر انہوں نے دو اہم امور بیان کئے:

۲- اول: مسئلہ وہ راوی ہیں جو حدیث اور فقہ کو سمجھنے کے اہل نہیں تھے اور ان سے عجیب و غریب موقف نکلتے تھے، اور انہیں مأمون کی آزمائش نے آزمائش میں مبتلا کیا جس میں انہوں نے قولِ خلق القرآن کہا، اور وہ — جیسا کہ شیخ کہتے ہیں — "بحث کے محل کو سمجھنے اور اس کے لئے دلیل کھولنے سے دور تھے"۔ یہ راوی اپنے روایت کے حروفیت پر قائم تھے اور دوسروں کی فھم پر اعتماد نہیں رکھتے تھے، جب دوسرے اُن کی سمجھ سے مختلف ہوتے تو انہیں سنت کی مخالفت کا طعنہ دیتے تھے۔ یہ مصیبت آج بھی بہت سی عوامی ذہنوں میں برقرار ہے۔

اور بعض قضاۃ جو آزمائش کے دوران انہوں نے فقہ ابو حنیفہ کے اصحاب سے سیکھا، انہوں نے اپنے فقہی ائمہ پر جس کا اس معاملے میں کوئی حصہ نہیں تھا ناانصافی کی انتقامی نیت سے جھنجھوڑا، اور ابو حنیفہ اور اس کے بے گناہ اصحاب کو ایک ہی سنگ پر پرکھا، اور ان کے بارے میں من گھڑت عیوب لکھے، بنائے ہوئے اسناد کے ساتھ جن میں ان کی ظالمانہ غصہ نے انہیں ایسا کرنے پر اکسایا۔

یہ تاریخی انکشاف کہ عوام راویوں نے ابو حنیفہ اور اس کے تابعین پر جو حملہ کیا وہ اس مقدمہ کی شاذ و نادر فوائد میں شمار ہے۔

-دوم: شیخ نے ایک اور تاریخی پردہ فاش کیا جس میں حنفی اور شافعی کے درمیان مقابلہ کا آغاز نظر آتا ہے، جبکہ پہلے اور بعد میں دونوں کے درمیان بھائی چارہ تھا؛ یہ وہ کوشش ہے جو امام ابو حامد الاسفرائینی الشافعی نے قضاء کو حنفیت سے شافعیوں کی طرف منتقل کرنے کے لئے کی (۳۴۴-۴۰۶ھ)، اور اسی میں الخطیب البغدادی (۳۹۲-۴۶۳ھ) کا ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب پر داغ چھڑکنے کا سبب بھی ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ وہ اسی خبط و خلف میں پیدا ہوا، اور پہلے وہ حنبلی تھا پھر شافعی ہوا، اور جس فقہ کا اس نے شافعی طریق سے سیکھا وہ ابو الطیب الطبری کا شاگرد تھا جو ابو حامد الاسفرائینی کا خلف تھا۔

۴- پھر شیخ نے خود الخطیب کی تند ترجمہ بیان کی جس میں اس پر طعنات کا ذکر کیا گیا، اور زیادہ تر اس اعتماد کا حوالہ ابن الجوزی الحنبلی تھا، گویا الخطیب پر ناراضگی اس کی مذہب کے تبدیل ہونے کی وجہ سے ہوئی جو حنبلی سے شافعی کی طرف ہوئی، واللہ اعلم۔

ہ-پھر شیخ نے "تاریخ بغداد" کی طباعت کی داستان بتائی جیسا کہ پیش کیا گیا۔ ۶- پھر الکوثری نے "التأنیب" کی مقدّمہ میں الخطیب کی خبروں کے نقد کا اپنا طریقِ کار خلاصہ کیا اور اس اختصار سے پہلے ایک تنبیہہ بھی کی اور کہا: "تنبیہ: ابو حنیفہ نے فقہ میں امتِ محمدیہ کا نصف حصّہ پیچھے سے پیچھا کیا بلکہ دو تہائی تک زمانوں کے تسلسل میں... اور امام ابو حنیفہ کی امامت اور دیانت، اور اس کی وثاقت کی تواتر، اور اس کی بیداری و ہوشیاری کی کثرت، اور اس کے اتباع کرنے والوں کی کثرت اور اس کے فقہ کے انتشار، اور مقامِ عقل و وسعتِ علم: ان سب میں ہر جو بھی گھسے پٹے شخص کے طعنہ سننے کی جگہ نہیں، خاص کر جب معلوم ہو کہ خصوم کے اندر کیا غرض موہبت ہے اور ان کی امانت... اور اس کے مزید خبث کے بارے میں بعض لوگوں کی ایجاد کردہ طعنات کا سبب ہے ناقص دین و کم بصیرت۔

پس یہ تصور نہ کیا جائے کہ الخطیب کی مثالِ بد گوئی میں جو کچھ رَوِی ہوا 'تاریخ' میں اس کے مقابلے میں معتبر موافق کہانیاں موجود ہیں، سوائے جب کہ وہ من گھڑت خبر متواتر کے خلاف ہو یا وہ وساوس و شکیات محسوساتِ حقیقیات کو ختم کر دیتی ہوں؛ اور صحیح حدیثِ آحاد مشہورِ مستفیض یا متواتر کو نہیں ٹکراتی، تو پھر کیسے وہ اس کی مثالوں کے اسناد میں وہ کمزوریاں اور اختلالیں ہیں جن کی ہم تفصیل کریں گے، ان شاء اللہ تعالی۔

اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں نقل اور رد و بدل کیا ہے وہ طالبِ علم کو یہ وصیت کرتا ہے کہ وہ کتابِ جرح میں جو کچھ بھی ملے قبول کرنے سے پہلے غور و فکر کرے اور اس جرح کے ملابسات و محرکات معلوم کرے، اور اللہ ہی ہادی ہے"۔

اس تنبیہے کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

-اول: ان خبروں کا محاکمہ کہ وہ صحیح ہیں یا بیمار، ان کی چھان بین امام ابو حنیفہ کے حوالہ سے متواتر و مستفیض روایت کے مقابلے میں کی جائے۔

-دوم—جو زیادہ اہم اور عام ہے—: جرح و تعدیل کی کتابوں میں جو مواد ہے اس کی چھان بین اور چھانٹی کی جائے، اور ان کے علمی حالات و ملابسات کا مطالعہ کر کے ان کا حکم دیا جائے، اور جرح و تعدیل کرنے والوں اور مجروح و معدل دونوں کے اعتقادات کی تاریخ پر روشنی ڈال کر اس کا فیصلہ کیا جائے۔ جیسا کہ علومِ حدیث میں غور آیا ہے کہ اختلافِ مذہب و عقیدہ اور معاصر ایک دوسرے سے متنافر لوگوں کا کلام خود ایک مخصوص حکم کے تابع ہوتا ہے، اس کو ہر حال میں تعمیم نہیں دیا جا سکتا، اور یہی طریقِ کار جرح و تعدیل پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

یہ "التأنیب" میں ان کا ملخص طریقِ کار ہے اور ان کی تاکید اس کے چہارم باب، باب اوّل میں اسناد و متون کے نقد میں تفصیل کے ساتھ ملتی ہے۔

۷- پھر جاءَ دورِ مفصلِ جواب: وہ حصہ اور صفحہ بتاتا ہے، پھر وہ عبارت لکھتا ہے جس پر تبصرہ کرنا چاہتا ہے، اور پھر اس کے فوراً بعد اُس کا مفصل ردّ آتا ہے۔

یہ مؤلمہ تراجم نے وہ مذہبی مسائل جمع کئے جو ابو حنیفہ اور دیگر روات کے مابین اختلاف کا سبب بنے، نیز انہوں نے فقہی مسائل کا بھی مجموعہ کیا جن میں ابو حنیفہ نے دیگر ائمہ سے اختلاف کیا، اور کوثری نے ان عقائدی اور فقہی مسائل کو بہ میدانِ تفسیر و توضیح میں ماہر انداز سے واضح کیا اور امام و اصحاب کے موقف کو اپنے جزل و رصین اور محکمہ اسلوب سے بیان کیا۔ پھر کتاب کے آخر میں انہوں نے کہا کہ الخطیب نے امامِ اصحاب کی تراجم میں وہی طعنات جمع کیں جو اس نے امام کے خلاف کیں، لہٰذا شیخ نے امام کے اصحاب: ابو یوسف، محمد، اور الحسن بن زیاد کی مختصر تراجم پیش کیں اور ان طعنات کا مختصر دفاع کیا۔ اللہ ان سب کو رحمت دے۔

اور اس فصل دوم کے اختتام پر یہ امر لازم و واجب ہے کہ میں اشارہ کروں کہ...

تین معاملات:

(1)

،

منہ القاریٔ

اولاً: اس کا خطیب بغدادی کے بارے میں سخت کلام، جس کا انحصار متعدد (دلائل) پر ہے، اور یہ امر ابن الجوزی کی عام مآثورات کی کتب سے بخوبی ظاہِر ہوتا ہے کہ ابن الجوزی خطیب سے سخت انحراف رکھتا ہے، لہٰذا اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس سے تو پرہیز لازم ہے۔

،

یہ کہ کسی امام مثلاً الکوثری جیسے شخص پر انحصار نہ کیا جائے، تو چاہیے تھا کہ

ثانیاً: اس نے امام الشافعی کی قرشیتِ صَلبَہ (قبائلی نسب کے اعتبار سے قریش سے ہونا) پر خراش ڈالی۔ ثالثاً: اس نے ان اخبار کو اٹھایا جو بعض ائمہ کی زبان کے اعتبار سے صحت میں منقلِب ہوئی ہیں: ابو عمرو ابن العلاء، الفرّاء، مالک، اور الشافعی۔

(۱) از یہ «المنتظم» ۱۶:۱۳۲

اور میں کہتا ہوں: ہمارے بزرگ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ — جو اس امت کے حکیم تھے — نے کہا: ہر مقام کے لیے ایک گفتار مناسب ہوتا ہے (۱)، اور یہ تینوں اعتراضات کا ایک مجموعی جواب ہے۔

اور پہلے معاملے کا تفصیلی جواب یہ ہے: کہ الکوثری نے خطیب کی تفصیلی سوانحِ حیات لکھنے کا ارادہ نہیں کیا تاکہ اس کے تمام موافق و مخالف نکات کو شامل کرے، لہٰذا اس نے اسی مقام کے متقاضی پر اکتفاء کیا، اور اسی مقام میں اس نے کہا: "اور اس نے 'تاریخ بغداد' تصنیف کی اور یہ اس کی اچھّی کتابوں میں سے ہے"۔

اور امام الشافعی کی قرشیتِ صَلبِہ (ثبوت نسبِ قریش) میں اس کی چبھاتی اشارے کے بارے میں: اس نے 'التأنیب' کی تمہید میں ایک اشارہ کیا(۲) اور 'اِحقاق الحق' کی تمہید میں اسے واضح کیا(۳)(۴)، لیکن جب ابن عبد البر نے 'الانتقاء' میں امام الشافعی کے بارے میں کہا: کہ وہ "شافع کے نسب سے نسبت رکھتا ہے" تو الکوثری نے اس پر تبصرہ کیا اور کہا: "جو شخص یہ ادعا کرتا ہے کہ شافع ابو لہب کا مولیٰ تھا، پھر اس نے عمر سے درخواست کی کہ اسے قریش کا مولا قرار دے، مگر وہ انکار کر دیا، پھر عثمان سے درخواست کی تو اس نے ایسا کیا: تو وہ درست راستے سے بہت دور چلا گیا، اور جماعت سے سخت کَٹ گیا، اور اس دعوے — یعنی اس نسب پر — بھروسہ کرنا بعض حنفیوں اور مالکیوں کی طرف سے ایک سرد جانبداری تھی، اور ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے اس کی علمی قابلیت میں بحث کریں، نہ کہ اس کے نسب میں۔"

(۱) یہ قول ابو الدرداء کے حوالے کیا گیا ہے: السخاوی نے "المقاصد الحسنۃ" (۸۷۰) میں اسے (الجامع) للخطیب کا حوالہ دیا، اور میں نے اسے وہاں نہیں پایا، اور (مکارم الأخلاق) للخرائطی میں یہ موجود ہے (۵۴۶) ابو الطفیل عامر بن واثلہ کے کلام میں، جو صحابۂ آخرین میں تھے، وفات رضی اللہ عنہما...

(Y)1100

(۳) ص ۱۹.

(۴) ص ۱۱۶.

ان میں سے۔

منہ اس معنی کے لیے: اس نے البیہقی کی 'الأسماء والصفات' پر اپنے حاشیے میں کہا: اور ابن خزیمہ پر اپنے تذکرے میں احتمالِ عتاب یہ تھا: "اور شاید محمد بن — عبد اللہ بن — عبد الحکم نے اس سخت ردّ کی تالیف میں مدد دی جو امامِ مطلوبی قرشی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے"۔ اور جوابِ ثالث: اِن ائمہ کی زبان کی صحت میں جس طعن کو الکوثری نے اٹھایا وہ علمی لحاظ سے کتب کے دفائن و مخبآت میں سے ایک عجیب بات ہے، مگر انہوں نے رحمہ اللہ تعالیٰ 'التأنیب' کے آخر میں کہا: "اور حق یہ ہے کہ متبوعین ائمہ اتنے برتر و معتبر ہیں کہ ان میں سے کسی کو زبان کے اعتبار سے کمزور کہنا جائز نہیں، کیونکہ وہ اجتہاد کے شرائط کے حامل ہوتے ہیں، اور ان شرائط میں سے ایک ہے: زبان کا حقیقی جاننا، اور امت نے اتفاق کیا ہے کہ ان کی اتباع دوسرے لوگوں پر مقدم ہے..، اور کلام کلام کو کھینچتا ہے؛ اللہ ہمیں اور انہیں بخش دے جو قلم نے حد سے بڑھ کر لکھ دیا، اور ہم اور وہ سبھی مغفرت طلب کریں گے"۔ خواہش یہ ہے: کہ طرفِ مخالف کا کلام — خاص طور پر ابو حنیفہ کے حق میں — دوسرے ائمہ کے بارے میں بحث کو کھینچتا ہے، اور اگر دوسرے لوگ ابو حنیفہ کے بارے میں شبہات نہ اٹھاتے تو الکوثری ان دفائن کو نہ کھوجتا۔

اور اس بات پر زور دیا کہ کسی امام کے بارے میں بغیر علمی مناظرے اور دلیل کے مقابلہ کے بات نہیں کرنی چاہیے، اپنی کتاب 'الامتاع' میں اس نے نقل کے بعد ابن الندیم کے ذریعہ محمد بن شجاع کی الشافعی کے بارے میں ایک کلمہ نقل کیا: "مجھے گوارا نہیں کہ کسی نے مسلمانوں کے کسی امام کے بارے میں ایسی لہجہ میں بات کی..." مگر پھر اس نے کہا کہ محمد بن شجاع نے الشافعی کے علم کو مان لیا، پس ہم کہتے ہیں: اللہ پاک سابقہ غلطیوں کو معاف فرمائے، اور ہم خاموش رہیں" (۱)۔ اور الکوثری نے 'الترحیب' میں علی بن عاصم سے ابو عوانہ الوضاح الیشکری کے متعلق نقل کے بعد کہا: "وہ امتیاز — یا وضاح — وہ بندہ: اکثر روایات میں ایسا ہجوم ہوتے ہیں جب نفوس بے قابو ہو جاتی ہیں سوائے اللہ کے، اور مجھے پسند نہیں کہ میں اس کی مثالیں دوں، احتیاط کرتے ہوئے لوگوں کی بے وجہ زحمت سے جو انہوں نے کی"۔

یہی الکوثری کا وہ علمی ضابطہ ہے جس کے تحت وہ ان دفائن کو کھودتا ہے: یعنی علمی ضرورت؛ البتہ مسلمانوں کی عمومی شہرت اور خصوصاً علماء کی توقیر محفوظ ہے۔

(۱) ص ۴۰۹.

تیسرا باب

ایک کلمہ علامہ عبد الرحمن المعالمی اور ان کی کتاب 'التنکیل'

'التأنیب' کی اشاعت نے علمی ہلچل مچادی، اور اس نے امام ابو حنیفہ کے دشمنوں کو اس کی علمی قوت، اس کے مضبوط دلائل اور ہر جانب سے تحقیقاتی شواہد — عقیدتی، فقہی، تاریخی — کے سامنے پریشان کر دیا؛ لہٰذا ایک عالم نے اس کا ردّ کرنے کے لیے خود کو منہِ میدان سمجھا، جو میدان میں اس کے سوا کوئی اور نہ تھا، وہ اپنے مکتبِ فکر کے نقطۂ نظر سے الکوثری کے خلاف ردّ کے لیے تیار ہوا، مگر اس کی خدمات کو دوسرے مکتبِ فکر کے نقطۂ نظر سے استعمال کیا گیا، اس نے اپنے ردّ میں دونوں قسم کی عناد شامل کر دی: اپنے مکتب کے لیے اور دوسرے مکتب کے لیے۔ وہ ردّ اور اس کا نوشتہ ہے 'التنکیل بما في تأنیب الکوثري من الأباطیل' از العلامہ شیخ عبد الرحمن بن یحیی المعالمی الیمانی (۱۳۱۳-۱۳۸۶ ہجری) رحمہ اللہ، جو یمن کے شافعی سادات کے علما میں سے ہیں، اور انہوں نے اپنی زندگی کا ایک عرصہ ہند میں گزارا، دیوانِ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن کے چند مطبوعات کی تحقیق میں، پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے، اور وہاں وہ الحرم المکی کے کتب خانے کے امین تھے، اور یں وفات ہوئی۔ کتاب دو جلدوں میں ہے، طبع ہوئی، کاپی پرنٹ ہوئی، اور پھر دوسری اشاعت نکالی گئی۔ پہلے بار اسے دمشق کے المکتب الاسلامی نے شائع کیا، تحقیق و توضیح شیخ ناصر الالبانی نے کی، اور شیخ الالبانی کی تمہید کی تاریخ ۱۳۸۶ ہجری تھی، پھر پاکستان میں ۱۴۰۱ ہجری میں فوٹو کاپی ہوئی، پھر ایک نئی اشاعت بطور: دار الکتاب السلفیۃ، قاہرہ، بغیر تاریخ نکلی، پھر اور ایڈیشنز نکلے۔

.V

اور شیخ المعالمی نے 'التنکیل' کی ایک شدید الخلاصۃ طبع کر دی جس کا نام تھا "طلیعۃ التنکیل" جو درمیانے قطع میں سو سے زائد صفحات پر مشتمل تھی، اور انہوں نے اسے مصر میں اپنے دوست شیخ محمد عبد الرزاق حمزہ سے چھاپوایا، اور یہ 'التأنیب' کے چھ سال بعد تھا!، اور شیخ محمد عبد الرزاق حمزہ نے اس کتاب میں ایسا کیا کہ المعالمی ناراض ہوئے۔ وضاحت یہ ہے: کہ شیخ حمزہ نے اپنی (از خود) اضافات میں چند فحش اور اہانت آمیز جملے شامل کر دیے، جن میں الکوثری کی تشبیہ یہودیوں سے کی گئی، یہ کہا کہ یہودی اس کے استاد ہیں، اور ابو حنیفہ الکوثری کا (صنم) ہے،... اور دیگر کلمات، جنہیں الکوثری نے 'الترحیب' کی تمہید میں نقل کیا اور کہا: "عام طور پر یمانی نرم خو اور بلند اخلاق والا ہوتا ہے.. مگر اس کے باوجود میں اس مصنف کے الفاظ کے اندر نازیبا عبارات دیکھتا ہوں، لہٰذا میں نے انہیں یہاں بطور نقاد درج کیا، تاکہ وہ ان سے تبرّأ کرے اور ثابت کرے کہ وہ ان کے مؤلف — جو قدیم زمانے سے معروف لہجہ رکھتے ہوں — کا کام ہیں یا نئے طبع کی طرف سے جھکاؤ رکھنے والے کا..." پھر شیخ نے انہیں ذکر کیا، اور اس نے چند گندے مصری امثال بھی نقل کیں، اور میں اپنے قلم کو مبرا رکھتا ہوں کہ ان کو درج کروں۔ اور سالِ اوّلِ ۱۴۲۸ ہجری میں ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام ہے "الجواهر الحسان في تراجم الفضلاء والأعیان من أساتذة وخلان" از العلامہ الفقیہ شیخ زکریا بن عبد اللہ بیلا المکی رحمہ اللہ، جس میں انہوں نے ایک ترجمہ لکھا، اور اس میں آیا: "اور اُن کی فضیلت کے اخلاق کا ذکر: ان کی تواضع..." (۱)

اور انہوں نے یہ بھی لکھا کہ میں نے جب معلوم کیا کہ یہی ہیں جنہوں نے العلامہ المحقق شیخ محمد زاہد الکوثری کے 'تأنیب الخطیب' کا جواب لکھا، اور اس نے اپنے جواب کو 'التنکیل بما في تأنیب الکوثري من الأباطیل' کہا اور 'طلیعتہ' اور 'طالعتہ' چھاپی، تو میں نے کہا — جب میں کتب خانہ میں تھا —: "تمہارے ردّ میں علمی مضبوطی اور اچھی تحقیق ہے، مگر اس میں کچھ ایسے کلمات ہیں جو سالم ذوق کو ناگوار ہوں گے!" تو اس نے جواب دیا: کہ ایسا ہی ہے، اور یہ میری وضع کردہ نہیں تھے، بلکہ وہ اس میں بعد میں شامل کیے گئے، اور وہ شخص جنابِ محمد عبد الرزاق حمزہ تھے، یعنی: جب میں نے ہند سے اُن کو کتاب ملاحظے کے لیے بھیجی تو انہوں نے اس میں اپنے کچھ نازک کلمات شامل کر دیے، اور واقعی میں نے انہیں مطلع کیا جب یہ کتاب ظاہر ہوئی، اس لیے میں ہچکچاتا تھا کہ کچھ علماء کو تحفہ کے طور پر ایک نسخہ دوں۔ اور ایک مجلس میں — اور یہ شیخ زکریا کے الفاظ ہیں —

انہوں نے مجھے اپنے قلم سے ایک نوشتہ دکھایا جس میں انہوں نے اس داغ سے تبرّآ لکھا تھا جو علماءِ عالی کے مقام کے موافق نہیں، اور اپنے آپ کو شیخ حمزہ کے کسی جانب سے الزامی سے بری الذمہ کیا تھا، جس نے اپنے رد میں الکوثری کے خلاف کیا، اور میں نے ان سے بہت سی حسین ممدوح صفات الکوثری کے بارے میں سنی کہ وہ محقق اور باخبر و باصلاحیت ہیں، اور میں اس سے متفق ہوں کہ حالاً بھی ایسا ہی ہے، مگر اس تنازعے نے الکوثری کے حق میں ایک سخت توقف پیدا کیا، اگر وہ اس میں نرم رکھتا تو اس کے لیے مخرج ممکن تھا، اللہ ان پر رحمت کرے اور ہمیں نافع علم عطا فرمائے"۔

اس پر میرے چند واضح نکات اور تکمیلیں ہیں:

۱- المعالمی کا یہ نقل کہ انہوں نے اقرار کیا کہ محمد عبد الرزاق حمزہ نے "اپنے طرف سے نازیبا کلمات" شامل کیے: قاری کو چاہیے کہ وہ 'التنکیل' کی تمہید میں الالبانی کی بات کا حوالہ ملاحظہ کرے جس میں انہوں نے کہا: "میں نے اس طباعت میں دوسری اشاعت کو بنائے کار رکھا —طلیعۃ کی —، دو وجوہات کی بنا پر: پہلی: کہ پہلی طباعت میں کچھ غلطیاں ہوئیں... اور دوسری وجہ: پہلی طباعت میں متن یا حواشی میں کچھ ایسا داخل کیا گیا تھا جو المعالمی رحمہ اللہ کا کلام نہیں تھا، برعکس دوسری طباعت کے، جس میں درج ہے: 'ثانی دفعہ طباعت کی گئی اصل مصنف کے مطابق مقابلہ کر کے جو کچھ پہلی طباعت میں داخل کیا گیا تھا وہ نکال دیا گیا—جو متن یا حاشیہ کا کلام نہ تھا'." اور شیخ الالبانی نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کیا داخل کیا گیا؟ اور کس نے داخل کیا؟ تاکہ اس نے وہ ایمانداری علمی ادا کی ہوتی جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے (۲)۔

اور یہ قابلِ اعتراض اضافے اور وہ قابلِ زبون تبدیلی جو محمد عبد الرزاق حمزہ نے کی جس نے المعالمی کو علماء کی نظر میں شرمندہ اور حیادار کر دیا، وہی وجہ ہے جس نے المعالمی کو مجبور کیا کہ وہ وہ بات لکھے جو شیخ الالبانی نے بیان کی (۳): "مصنف کہتا ہے: اگر کسی نے کسی کتاب پر حاشیہ لگائی تو حاشیہ اس کے کلام سے جدا ہو اور اس پر اس کا دستخط ہو" اور الالبانی نے المعالمی کے حواشی میں محمد عبد الرزاق حمزہ کے تعلیقات کو الگ جگہ یا اقوافی میں رکھنے کی طرف مائل کیا اور کہا: "میں نے ایسا کیا کیونکہ امانتِ علمی یہ تقاضا کرتی تھی" اور یہ بات درست ہے، مگر الالبانی خود کیا کہتا ہے؟ اور وہ اپنے بارے میں کیا کہے گا جس نے اپنے صاحب کے فعلِ سوء کو چھپا رکھا؟! یہ وہ باتیں ہیں جو زمانہ آشکار کرے گا۔ ۲- المعالمی کا قول: "میں کچھ علماء کو نسخہ تحفہ دینے میں شرماتا تھا" مجھے اس بات کی یاد دلاتا ہے جو میرے استاد، العلامہ وارث علوم الکوثری، استاد شیخ عبد الفتّاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے مجھے سنایا: کہ المعالمی نے ان سے کہا: "انہوں نے طلیعۃ التنکیل میں ایسے مادے گھسائے جو مجھے معلوم نہیں تھے"۔ ہمارے شیخ نے کہا: المعالمی نے یہ بات مجھ سے کہی جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ میں کوثری کا شاگرد ہوں۔ پس المعالمی ممکن ہے کہ واقعی محمد حمزہ کے فعل سے اپنا تبرّؤ ظاہر کرتے رہے اور اسے جس طرح جانتے اور جو نہ جانتے اس کے سامنے پیش کرتے رہے (۱)۔

(1) اور اس موقع پر میں کہوں گا: مجھے سوال کیا گیا ہے کہ بعض قاریوں کے درمیان —ماہِ ربیع الآخر 1441 ہجری کے زمانے میں —ایک صفحہ عنوان کی تصویر گردش کر رہی ہے جو علامہ اللکنوی کی کتاب 'الرفع والتکمیل' کی ہے، اور اس پر اس کے محقق ہمارے شیخ فضیلت شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کی طرف سے اِهداء لکھا ہوا ہے برائے العلامہ عبد الرحمن المعالمی رحمہم اللہ، اور ہمارے شیخ نے اِهداء پر مہر لگائی: "من محبہ و مستجیزہ عبد الفتاح ابو غدۃ بتاریخ ۱۲/۶/۱۳۸۳ھ"، مکہ المکرّمہ۔ اور جو بہت سے لوگ حیران ہوتے ہیں وہ وہ حضرات ہیں جو اپنے آپ کو (الکوثری) سے نسبت دیتے ہیں اور وہ المعالمی کی ستائش کرتے ہیں اور اسے بہت بڑھا چڑھا کر دیکھتے جو خود الکوثری کا مخاطب ہے۔

میں ان سے کہتا ہوں: اس میں کوئی تعجب نہیں اس امام عبد الفتّاح ابو غدہ کی حیثیت سے جس نے اپنی کتاب 'کشف اَباطیل وافتراءات' صفحہ ۳۸-۳۹ میں جب کہ انہوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیّم رحمہم اللہ کے خلاف الکوثری کے سخت رویّے کی اشارہ کی تو کہا:

記

اور بعد ازاں الالبانی نے اس فعل کو پہلی تردید میں افشا کیا—اگر الکوثری نے ایسا کچھ کیا ہوتا—اور خدانخواستہ تو میں دیکھتا کہ الالبانی یا المعالمی اسے کس طرح سے افشا کرتے!۔

-اور ان کے قول: "اور ایک مجلس میں انہوں نے مجھے ایک قلمی تادیٰ کا نوشتہ دکھایا جس میں انہوں نے اس داغ سے تبرّآ لکھا"؛ گویا یہ وہی بات ہے جسے میں نے تھوڑا پہلے نقل کیا: "مصنف کہتا ہے: اگر کسی نے کسی کتاب پر حاشیہ لگایا تو حاشیہ اس کے کلام سے جدا ہو اور اس پر اس کا دستخط ہو"۔ اور ان شاء اللہ میں شیخ زکریا کے تمام کلمات اور جو وضاحتیں ہیں وہ پیش کروں گا۔

"میں نے اپنے ایک بڑے استاد سے حلب میں سُنی — اللہ ان پر رحم کرے — اور یہ میرا استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے شدید محبت کرتا تھا، میں نے اپنے زمانے کے علماء میں اس طرح کے شدید محبت کو کہیں نہیں دیکھا، اور وہ ہر چیز میں ان کا اتباع کرتا تھا، اور وہ کہتا تھا: 'اگر نبوت مہر بند نہ ہوتی تو ابن تیمیہ نبی ہوتا'۔ پس میں نے نہ اِس چیز سے لیا، نہ اُس سے لیا، الحمد للہ کہ مجھے اعتدال اور ائمہ و علماء کی تعظیم نصیب ہوئی اور ان سے استفادہ اور ان کے ساتھ ادب'۔"

المطلب الأول

المعالمی کے اندر 'التنکیل' تالیف کرنے کا حقیقی سبب

شخصی جوش و جذبات کی مکتبی عناد: شیخ علامہ المعالمی کا حقیقی باعث الکوثری کے خلاف ان کا ردّ لکھنا ایک شافعی مکتبی گرمی اور جوشِ تعصب تھا، جواب میں حنفی مکتبی جوشِ تعصب کے مقابل؛ بیشک اور کچھ نہیں، اور اس کا ثبوت علامہ زکریا بن عبد اللہ بیلار حمہ اللہ کے تکملہ کلام میں ہے: "اور ایک بار میں نے ان سے پوچھا: آپ کا مذھب کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: 'جب تک میں زندہ ہوں شافعی'، اور انہوں نے یہ دو اشعار بھی سنائے: 'ومن شُعب الإیمان حبُّ ابن شافع وفرض أکید حبہ لا تطوع' اور 'وإني حیاتي شافعي فإن أمُت فتوصیتي بعدي بأن تتشفعوا'..." اور اسی وقت وہاں موجود تھے کتاب خانے کے مدیر شیخ سلیمان الصنیع رحمہ اللہ، انہوں نے مزاح میں کہا: وہ حنبلی بن جائیں — کیونکہ وہ حنبلی مذھب تھا — تو المعالمی نے کہا: نہیں، مدیر نے کہا: محفوظی یہ ہے، اور فوراً المعالمی نے 'تھذیب التھذیب' اٹھا کر ابو عبد اللہ محمد البوشنجی کی سوانح پڑھی جو لکھا ہے: کہ وہ کہتے: 'کہ وہ تشفّع کریں'۔

بوشنجی کی وفات ۲۹۰ ہجری میں تقریباً نوّے برس کے قریب ہوئی۔

اور جہاں تک ان کا کہنا ہے: کہ میرا مذھب جیتا جاگتا شافعی ہے: تو یہ مجھے ایک اور بات کی یاد دلاتا ہے۔ ہمارے شیخ العلامہ المجھد حبیب الرحمن الأعظمی رحمہ اللہ حلب میں ہمارے پاس آئے، اواخر شوال ۱۳۹۸ ہجری میں، اور ایک ماہ ٹھہرے، میں نے ان کی مکمل صحبت کی، الحمد للہ، اور میں نے ان سے پوچھا: "کیا آپ المعالمی کو جانتے ہیں؟" تو انہوں نے کہا: "ہاں" میں نے کہا: "وہ کیسے ہیں؟" تو انہوں نے کہا: "شافعی" اور مزید کچھ نہ کہا، میں خاموش رہا بطورِ ادبِ ملاقات کے، میں مزید جاننے کا خواہش مند تھا؛ پھر میں نے اعظمی اور المعالمی کے درمیان ایک علمی رابطے کا مطالعہ کیا: وہ المعالمی کی جانب سے ہمارے شیخ الأعظمی کے 'مسند الحمیدی' کی تحقیق کے لیے دی گئی تقریظ تھی۔ اور کچھ مہینے بعد میں مدینہ منورہ گیا، پھر عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ گیا، اور میں حجرِ اسکر کے قریب واقع کتاب خانے میں گیا جو حرم کے پہلو میں تھا، اور مخطوطات کے شعبے میں اس کی فہرست دیکھی تو میں نے دیکھا: 'تنزیہ الإمام الشافعي عن مطاعن الکوثري' از المعالمی نمبر ۲۷۹۱، اور مائیکرو فلم ۲۵۵۱، میں نے اسے طلب کیا، تو وہ المعالمی کے قلمی مسودے کی صورت میں ملا، اور وہ ایک مدرسہ ڈائری تھی جس میں بہت سی خط خوردگیاں تھیں، اور میں نے اپنے استاد الأعظمی کا قول یاد کیا: 'وہ شافعی ہے'، اور قاری 'التنکیل' میں اس کی ثناؤں کے اندر ایسی مواقف پائے گا جو اس کی شافعی وابستگی کی تصدیق کرتے ہیں (۱)۔

جو بات مجھے یہاں دلچسپی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ میں المعالمی اور الکوثری کے درمیان علمِ جرح وتعدیل کے معاملے میں ایک بنیادی فرق کا مختصر بیان دوں، جس کا ثبوت وہ چیز ہے جو المعالمی نے پہلے جلد کے ۴۳۰ صفحات میں لکھی:

میں کہتا ہوں:

۱- المعالمی ایک علامہ محقق ہیں، اور خود الکوثری نے انہی دو اوصاف سے انہیں 'التر حیب' کی تمہید میں بیان کیا ہے، مگر وہ محقق ہیں اس اعتبار سے جو امامِ محدثین کے رائج رسوم کے مطابق ہے، اور وہ رسومات اکثر فضائلِ فقہیہ واخلاق ومناقب سے متعلق کثرتِ اتصال اور گشت پر مبنی ہیں، مگر عقائد کے روایات سے کم جڑت رکھتے ہیں، اور کوثری اور اس کے مخالفین کے درمیان جب عقائد کا تعلق آتا تھا تو وہ شدّتِ لہجے کے ساتھ جھگڑے میں مبتلا ہو جاتے تھے اور اس کا اثر ان روات پر بھی پڑتا تھا جن کے بعض ادوار میں ان کے ٹھیک نہ پائے جانے والے مواقف تھے، لہٰذا بہتر یہ تھا کہ انہیں ٹھپ کر دیا جائے اور خاموش رکھا جائے، مگر ان میں سے کچھ لوگ انہیں اٹھاتے اور پھیلاتے رہے، حتیٰ کہ معاملہ خطیب تک پہنچ گیا جس نے کچھ خصوصی حالات دیکھے جو الکوثری نے ان میں سے بعض کا ذکر کیا—اور وہی باتیں اسے انہیں لکھ ڈالنے اور عام کرنے پر مجبور کر گئی۔

اور چونکہ یہ خبریں امام ابو حنیفہ سے متعلق تھیں، جو کوثری کے لیے قدوّت تھے، اس نے خود کو اس کا دفاع کرنے کے لیے کھڑا کیا، اور چونکہ یہ خبریں امام الشافعی سے جڑی ہوئی نہیں تھیں جو المعالمی کے لیے قدوت تھے، اس لیے المعالمی 'التنکیل' میں یہ کہنے لگا کہ حکمت یہ تھی کہ کیا مناسب رویّہ ہونا چاہیے!: "حکمت کا تقاضا تھا کہ تقریباً ایک سو سال سے جو علماء کی طرف سے رائج رہا ہے، اس کی پیروی کی جائے: کہ ان حالات پر پردہ پڑا رہے، ستّر کر دیا جائے، اور مدح توازن پر رہے، اور حنفی علماء بعض مواقع پر خطیب کے خلاف صرف یہ شکایت کریں کہ اس نے وہ حکایات نقل کیں جو صحیح نہیں ہیں، تو وہ اس خلاصہ پر اکتفاء کریں اور اسی طرح رہیں، اور نہ تو خطیب کی توہین کریں اور نہ ہی کسی راوی کی..."!!

اور میں کہتا ہوں: ماضی کے علماء ایک ہی بستی میں بہت سی نسخیں شمار کرتے تھے، ایک بستی میں پانچ نسخے 'تاریخ بغداد' کے مل سکتے تھے، اور بستیوں میں کل ملا کر سینکڑوں نسخے ہوں گے، مگر آج کل ایک طباعت میں کئی ہزار نسخے نکلتے ہیں!! تو ان مکروہ خبریں جو خاموشی کے قابل نہیں ہیں ان کے پھیلاؤ میں کتنا فرق ہوتا ہے؟!

اور ایک اور فرق: وہ مکروہ خبریں عقل مند علماء کو مل جاتی تھیں جو انہیں ردّ کر دیتے اور اپنے صاحبان وشاگردوں کو اس کی تردید سکھاتے اور ان کے نظریات کو ائمۂ اسلام کی طرف درست کرتے تھے، جبکہ آج المعالمی جانتے ہیں کہ اس ترجمے کی غلطیاں ہندوستان میں اور اس کے اثرات: پاکستان وبنگلہ دیش میں چھپ کر اب فساد وابہام پھیلا رہی ہیں!! کیا ممکن ہے کہ اُس ترجمہ پر خاموش رہا جائے جس میں کہا جاتا ہے: کہ ابو حنیفہ کو دو بار کفر سے سوال کیا گیا، اور وہ کہتے تھے: "اگر کوئی شخص یہ جو تا اللہ کے نزدیک قربتِ الی اللہ کے لیے پہن کر عبادت کرے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا"، اور کہا گیا کہ ابو حنیفہ کی رائے دجّال کی مانند ہے، جیسا کہ دجّال شہر میں داخل نہیں ہوتا اسی طرح ابو حنیفہ کی رائے بھی شہر میں داخل نہیں ہوتی، اور ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک جنازہ تھی جس پر کالا کفن تھا اور اس کے گرد قدّیسین کھڑے تھے، تو میں نے کہا: یہ کس کی جنازہ ہے؟ کہا: یہ ابو حنیفہ کی جنازہ ہے!! اور غیرہ، اور غیرہ!! باوجودِ اس فتنے وباطل بیانات کے المعالمی 'التنکیل' میں لکھتے ہیں (۱) کہ: "الخطیب نے ابو حنیفہ کے متعلق غَدّی حکایت میں ایسی کوئی بات نہیں دی جو اس کے زوال (سقوط) کو ظاہر کرتی ہو، اور اگر ایسا ہوتا تو عجیب وغریب بات آتی!"!!

پھر انہوں نے کہا (۲): "جہاں تک خطیب کا تعلق ہے تو اس نے لوگوں کے اقوالِ غَضّ کو نقل کیا... جیسا کہ اس نے مناقب میں جو کچھ روایت ہوئی وہ بھی نقل کیا، اور یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ چونکہ مؤرخ اور محدث تھا، لہٰذا وہ ابو حنیفہ کے مناقب ومثالب دونوں جو روایت ہوئے ہیں نقل کرے"۔ اور اگر خطیب ایک مؤرخ ومحدث ہے اور

اس کی ذمہ داری ہے کہ ابو حنیفہ کے بارے میں مناقب و مثالب نقل کرے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ خطیب نے مناقب کو جلد ۱۳ صفحات ۳۳۵-۳۶۸ میں ذکر کیا، پھر آپ کہتے ہیں: کہ حنفیوں کا اصل سرمایا—یعنی اپنے امام کی مناقب میں—امام الشافعی کا قول ہے: "الناس عیّال فی الفقہ علی اَبی حنیفہ"؛ تو کیا یہی جملہ ہے جس سے خطیب نے ۳۳ صفحات اپنے 'تاریخ' میں بھر دیے؟

اور میں پورے طور پر جانتا ہوں کہ یہ جواب محض عبثی التزامات میں سے ہے، لیکن:

ہر چیز کی اپنی ہی جنس کی آفت ہوتی ہے

جو کہ

کیا یہ کلام تمام و کامل طور پر اس نتیجے پر نہیں پہنچتا کہ کوثری کا ردّ، شافعی معتمد کے مقابلے میں کہیں زیادہ جلتا ہوا اور سخت ردّ ہے جو کہ وہ اور دوسرے کوثری کی حنفیت پر عیب لگاتے ہیں؟! اور الخطیب نے ابی حنیفہ کے بارے میں قابلِ اعتراض روایات کو پیچھے رکھا اور اُن روایات کو مقدم رکھا جو اُن کی فضیلت کی دلیل ہیں، اور المعلمی بخوبی جانتا ہے کہ الخطیب نے اپنی تاریخ میں اصطلاحاً کہا ہے "کہ وہ جرح یا تعدیل میں مرد کے متعلق مرادِ معتبر قول کو تاخیر دیتا ہے، جیسا کہ

(1)

"—اور یہ

یہ ذہبی کا نقل ہے عن الخطیب mismo في (تذکرۃ الحفاظ).

الکتاب مماصححہ المعلمی و سیر اَعلام النبلاء"

(Y)

تو کیا المعلمی کی الخطیب پر یہ دعویٰ کہ اُس نے جو کچھ بیانہ دی بے نیازی اور بیّنیّتِ اَمانت کے ساتھ بیان کی، کیا وہ قابلِ تصدیق ہے؟!.

(1) 3 : 1139

(2) 18 : 278

میں کوثری کے جوش اور المعلمی کے جوش کے درمیان بڑے فرق کو مزید واضح کروں گا، کوثری نے اپنا جوش دراصل ان ظالمانہ حملوں سے پیدا کیا جو امام ابو حنیفہ پر ہوئے، مثلاً غیر مذہبی دشمنوں کا "مصنف" ابن ابی شیبہ میں موجود مواد کا استحصال، اور اس کے بغداد کی تاریخ میں اس کی تَرجَمہ، اور "مغیث الخلق" کی مطبوعات، اور جو محمد حامد الفقی جمعہ کے منبر پر کہتے تھے: "اَبو جیفہ" بہ جای "اَبو حنیفہ"!! اور جو تقي الدين الهلالي پھیلاتا ہے، جسے کوثری نے خود "النکت الطریفۃ" کی مقدمہ میں نقل کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ امّا المعلمی تو ایسا کچھ نہیں کر رہا تھا جو نہ وہ اور نہ کوئی اور معاصر شافعی عالم کرے؛ بلکہ المعلمی کا جوش کوثری کی شافعیہ اور دوسروں کے ساتھ مناظرہ سے پیدا ہوا، اور ساتھ ساتھ اُس کا بارہا اقرار کہ فروع کا مسئلہ حتمی طور پر فیصلہ طلب ہے، پھر کوثری کا یہ کہنا کہ امام الشافعی کے عربی الأصل نہ ہونے کی بات درست نہیں—میں نے اس کا جواب پیش کیا ہے۔

(1)اور انہوں نے اس باب کو(المصنف) سے بھی اس معنی میں لیا جو اصل میں ابن ابی شیبہ کا مقصود نہیں تھا، جسے میں نے اپنے جلد بیسویں کی مقدمہ میں واضح کیا، الحمد للہ وتوفیقہ.

المطلب الثاني

کتابِ السنکیل کا اجمالی عرض

1-المعلمی نے اپنے آغاز میں کوثری اور اُس کے کتاب کے بارے میں قریباً تیس صفحات میں مقدمہ لکھا۔

2-پھر تقریباً پچاس صفحات جرح وتعدیل کے علم کے قواعد میں لکھے۔

3-پھر اس نے ان روات کی مخالفت شروع کی جنہوں نے بات کی، جن میں اکثر ثقات تھے، اور اُن کی تعداد 273 راویوں تک پہنچی، اور اس پر اس نے تقریباً 430 صفحات خرچ کیے، اور اس کے ساتھ ہی اُس کا پہلا مجلد مکمل ہوا۔

اور دوسرے مجلد کا آغاز اس نے انیس فقہی مسائل میں کوثری کا مناظرہ کرتے ہوئے کیا جو الخطیب نے امام ابو حنیفہ کی ترجمۃ کے دوران پیش کیے تھے، اور کوثری نے اُن میں بحث کی، جس پر المعلمی نے 170 صفحات میں کوثری کا مناظرہ کیا، پھر چوتھا حصہ آیا جو "التنکیل" کا آخری حصہ ہے(1) تا پایان دوسرے مجلد: 385 صفحات، جس کا عنوان تھا "القائد إلی تصحیح العقائد"؛ اس میں وہ لمبی مقدمات لایا جو کوثری کے ساتھ بحث سے بے تعلق تھیں، پھر اس نے "حدیث الجاریۃ" پر پندرہ صفحات میں گفتگو کی، اور ایمان کے قول وعمل ہونے اور اس کے زیادتی وکمی پذیر ہونے پر دس صفحات، اور "أنا مؤمن إن شاء اللہ" کے قائل کے قول پر دو صفحات۔

(1) 2 : 174 .

اور اس چوتھے حصے میں المعلمی کا علم الکلامی کتابوں سے جو ربط دکھائی دیتا ہے، مگر آغاز سے انجام تک کتنا فاصلہ ہے! اور مجھے شرم آتی ہے کہ المعلمی کے بارے میں یہ کہوں: یہ حصّہ (انھزامیاً) میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے اُس پیچیدہ وحساس مسائل کے سامنے جن میں کوثری دینی جذبات میں مہارت رکھتا تھا اور عقیدے کے دفاع کے میدان میں ماہر تھا۔

اگرچہ شیخ الألبانی نے "التنکیل" پر اپنی تشریح میں المعلمی کو (التقیۃ) کا استعمال کرتے ہوئے بیان کیا ہے، پھر قاریان — عموماً — المعلمی کو یہاں "التقیۃ" اور "انھزامیہ" کہنے کے زیادہ حق دار ہیں؛ ہمارے سابق علماء نے حدیث الجاریہ کے معنی میں اتنا ہی بحث کی جتنا ضروری تھا، اور ایمان کے قول وعمل ہونے اور اس کی زیادتی وکمی کو لفظی اختلاف سمجھا گیا: جیسے ہم کہتے ہیں: "یقوی ویضعف" اور اس کی طرح "أنا مؤمن إن شاء اللہ"؛ اما وہ زلزلے جو کوثری نے بے نقاب کیے ہیں، میں نے المعلمی کو ان کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں بولتا دیکھا!! تو کیا یہ (التقیۃ) اور (انھزامیہ) کچھ اور ہیں؟!

بلکہ الألبانی نے خود اس تشریح میں جس کا میں نے اشارہ کیا کہا: "خلافاً لبعضھم" اور انہوں نے اس کا نام نہیں لیا، اور یہی تو التقیۃ ہے بالکل الألبانی سے، پھر کیوں یہ؟.

(1) 2 : 185

المطلب الثالث

المعلمی کا پشیمانی اور "التنکیل" سے تراجع

سامعینِ محترم کو یہ عنوان وسیع الزام محسوس ہو گا جو درست نہیں ہے، کیونکہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی عالم تقریباً نو سو صفحات — فہرستوں کے علاوہ — کے ایک کتاب کو دوسرے کے خلاف لکھے، پھر وہ پس مَرد جائے اور اپنے لکھے پر نادم ہو؟! یہ الزام اس پر صادق نہیں۔

اور جواب: میں نے اپنی اس دعوے میں مندرجہ ذیل پر اعتماد کیا: 1- الأستاذ الشیخ زکریا بن عبد اللہ بیلا نے "الجواہر الحسان" میں اپنی گفتگو کے دوران جس کا میں نے کچھ حصہ نقل کیا، کہا: "میں نے فضیلتہ — الشیخ المعلمی — سے کثرت سے کوثری کی تعریف سنی ہے، کہ وہ صاحبِ حذاق واطلاع وجودۃ ہے)".

اور میں اس کی تکمیل کہتا ہوں: ایک مرتبہ جب میں ام القری یونیورسٹی کی پبلک لائبریری کی اپنی ایک زیارت میں تھا تو میں نے استاد محمد بن عثمان الکنوی — جو شاید اب بھی حیات ہوں، اللہ انھیں سلامت رکھے — سے ملاقات کی، جنہوں نے مجھے بتایا: کہ وہ المعلمی رحمہ اللہ کی حرمِ مکی کی لائبریری میں معاون ملازم تھے، اور جو کچھ انہوں نے شیخ سے سنا وہ یہ تھا کہ المعلمی نے انہیں کہا جب "طلیعۃ التنکیل" چھپی، اور کوثری نے اس کا جو ردّ چاپ کیا "الترحیب بنقد التأنیب"، تو المعلمی نے کہا: کوثری عالم ہے، اور وہ اب اس کا مناسب طبعہ شائع نہیں کر سکے گا، اور المعلمی نے اس ردّ کو اپنے پاس محفوظ رکھا، انہوں نے انہیں اسے چھاپنے کے لیے نہیں دیا۔

میں نے کہا: اور یہ اس بات کی مزید تصدیق ہے کہ اس نے وہ ردّ اپنے پاس محفوظ رکھا، اور وہ مر گیا، اور یہ شائع نہیں ہوا مگر اس کی وفات کے بعد، اسے شیخ محمد نصیف نے لے کر دمشق بھیجا تاکہ شیخ الألبانی اس کی اشاعت کی نگرانی کریں۔

اور میرا خیال ہے کہ المعلمی کا یہ تراجع اس درست طریقۂ کار کی وجہ سے تھا جو کوثری نے "الترحیب" کی مقدمہ میں بیانیہ کیا، اور میں نے اس کا حوالہ اور تشریح پیش کی، تو المعلمی نے اپنے اور کوثری کے طریقۂ کار میں فرق دیکھا۔

پھر کوثری نے "الترحیب بنقد التأنیب" 1369ھ میں طبع کیا، اور آخر کار "التأنیب" کو "الترحیب" کے ساتھ 1410ھ میں ایک مجلد میں شائع کیا، اور التأنیب کے صفحات 367 تھے، اور "الترحیب" صفحات 371-418 تک؛ اور میں اس طباعت سے اس بحث میں نقل کر رہا ہوں، اور یہ طباعت اپنی پچھلی طبعات سے دو خصوصیات کی بنا پر ممتاز ہے: ایک مختصر مقدمہ فضیلتہ الشیخ محمد أمین الساعاتي — شیخ الطائفۃ البخاریۃ بطائف — نے لکھا، جو 1403ھ میں انتقال کر گئے (تقریباً ایک سو سال قبل)، اللہ اُن پر رحم فرمائے؛ اور دوسری خصوصیت وہ تعلیقات ہیں جو الأستاذ أحمد خیري، جو کوثری کے شاگرد تھے، نے کیں، جن میں اللہ کے خصوصی مکاتیبات شامل تھیں جو اُن کے اور شیخ کے درمیان ہوئی تھیں، وہ خط لکھتا تو شیخ جواب دیتا اور وہ اس کو اپنی نقل کی حاشیہ پر خوبصورت خط سے درج کرتا۔

2- اور اس مقدمہ میں آیا ہے: کہ الشیخ الساعاتي نے المعلمی سے حرم کی لائبریری میں ملاقات کی، اور کچھ اصحاب بھی تھے، اور وہ علم کا تبادلہ کر رہے تھے، اور کوثری کا ذکر آیا تو وہ گہری تاثیر سے متاثر ہوا، ہم نے یہ سمجھا کہ وہ نادم ہے، اور کچھ ہی دن بعد وہ فوت ہو گیا، اللہ ان پر رحم کرے۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا: "اور ہمیں کچھ احباب سے یہ بھی پہنچا ہے کہ ایک ماہ قبل (المعلمی) کے یہاں کچھ ہند کے علما آئے، اور گفتگو کے دوران کوثری کا ذکر ہوا تو اُنہوں نے اس پر رحم فرمایا اور کہا: 'وہ مرحوم ناقد تھے، استناد کی معرفت میں بے مثل، اور جو جو چیز جرح وتعدیل میں دلیل ہوی اسے باریک بینی سے دیکھا تھا، ہم اُن کا احترام کرتے اور اُن کے لیے عزت رکھتے ہیں، نایاب ہوتے ہیں ایسے انسان قلیل زمانوں میں'".

خلاصہ۔

اور المعلمی کی اپنی زبان میں مزید اس ندامت کی تصدیق ہے، جو انہوں نے اپنی "تقدمۃ الجرح والتعدیل" کے آخری مقدمہ میں لکھی، صفحہ (کد)، کہا: "اور فضیلتہ العلامۃ الکبیر الأستاذ محمد زاھد الکوثری — مد اللہ في ایامہ — کا مجھ پر بڑا فضل تھا کہ انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ 'التقدمۃ' کی ایک نسخہ مراد ملا کی لائبریری میں موجود ہے، اور کئی کتب کے نسخوں کی رہنمائی کی، اور طباعتِ دائرہ کی اچھی دیکھ بھال کے ساتھ، اللہ ان کی کوشش کو جزائے خیر دے، اور سب کو علم کی خدمت اور اس کی نشر و اشاعت کے کام میں استمراری توفیق عطا فرمائے)".

اور المعلمی نے یہ لفظ 23 شوال 1371ھ کو تاریخ کیا، یعنی: کوثری کے مرنے سے چھبیس دن قبل، گویا وہ چاہتا تھا کہ یہ کلمہ ایک اطمینان اور معافی کا خط ہو جو اس نے اپنے قصور پر، مگر قسمت نے یہ چاہا کہ کوثری "التقدمۃ" کے طبع سے پہلے فوت ہو۔

بلکہ میں کہتا ہوں: المعلمی کا یہ کلام اعتذار و ندامت ہے، اور نتیجتاً: یہ "التنکیل" اور "طلیعتہ" کی نفی ہے، اور وہ کتاب جو کوثری کے دشمن کوشش کرتے ہیں کہ جو کوئی کوثری کو اچھا یاد کرے اسے خاموش کریں۔

دلیل کہ یہ کتاب کا نفی ہے: جو بھی "التنکیل" یا "طلیعتہ" کے مطالعے میں غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ المعلمی کی نظر میں کوثری ایمان سے زیادہ کفر کے قریب ہے! اور آگے دکھایا جائے گا کہ المعلمی نے کوثری پر اللہ سے ایک ملین لعنتیں نازل کیں! پھر اگر کوثری المعلمی کی نظر میں اس قدر بری حالت میں ہے تو یہاں وہ اس کے لیے دعا کیوں کر رہا ہے: "مد اللہ في عمرہ ووفقہ للاستمرار علی خدمۃ العلم ونشرہ"!!۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ المعلمی، یا کوئی بھی مسلم، کسی عَلمانی، کافر، یا دین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے والے کے لیے دعا کرے کہ اللہ اس کی عمر دراز کرے! اور اسے توفیق دے کہ وہ اسی طریقے سے علم کی خدمت اور اس کی نشر و اشاعت میں رہے جو دین کی بے حرمتی اور صحابہ میں طعن اور تقریباً 300 راویوں کی بیّن بدنامی اور سنی عقیدے کی تشہیر میں مبتلا ہو! فروعی فقہیات کی بات تو علاحدہ ہے!

پس یا تو المعلمی نادم تھا، یا وہ ایسے شخص کے لیے دعا کر رہا تھا کہ وہ دین کو نام کے تحت تباہ کرتا رہے!؛ پھر فیصلہ آپ پر یا اُس پر دونوں میں سے جس کو چاہیں دیں!

اور مفید ہے کہ میں ان چار کتب کی ترتیبِ تالیف کا تذکرہ کروں: "التأنیب" کی تالیف کا تاریخ کوثری نے 7 شعبان 1360ھ لکھا، اور مکمل چاپ 11 ربیع الاول 1361ھ۔ المعلمی نے "طلیعہ" کی تالیف کی تاریخ درج نہ کی، مگر اس کی طبع 1368ھ میں ہوئی۔

اور کوثری نے "الترحیب" کی تالیف 12 ربیع الآخر 1369ھ میں تاریخ کیا۔

المعلمی نے "التنکیل" کے فراغ کی تاریخ درج نہیں کی، مگر اس پر ایک تذکرے میں 2:383 میں شیخ محمد عبد الرزاق حمزۃ کے کلام میں آیا کہ وہ "التنکیل" کے آخری حصے کو جو المعلمی نے "القائد إلی تصحیح العقائد" کہا، پڑھ کر فارغ ہوا، اس کا متن یہ ہے: "میں نے اسے پڑھنا صبح منگل 23 ذی الحجہ 1370ھ کو مکمل کیا۔ لکھا محمد عبد الرزاق حمزۃ"۔ پس یہ تھا وہ تعریف اور دعا جو المعلمی نے کوثری پر "التنکیل" کے فراغ کے بعد دلیل کے ساتھ کی۔

الفصل الرابع

جوہری فرق دونوں رجال کے منہج اور اُن کی کتابوں میں

پہلے ہی قریباً کہا جا چکا ہے کہ کوثری نے المعلمی کو — رحمہم اللہ — "علامہ محقق" کہا، تاہم المعلمی کی جرح و تعدیل میں تحقیق اسی علم (جرح و تعدیل) پر مرتکز ہے، اور اس وجہ سے وہ اپنے طریقوں کی رسمیات پر عادت کے مطابق راوی کی عام احادیث کے سامنے راوی کی غلطی یا دو غلطیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے جب وہ ان کو ضبط کرتا ہے، اور یہ صحیح اور جائز ہے؛ اور کوثری کا معاملہ بھی یہی ہے جب وہ اس راوی کی معمولی روایات کے بارے میں موقف لیتا ہے، لیکن کوثری ان غلطیوں اور دو غلطیوں پر سختی سے قائم رہتا ہے جب اس راوی کی روایت میں ایک منکر خبر آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں ثابت شدہ مبرّا میں مخالفت کرتا ہے، یا جب اس کی روایت میں ایک منکر خبر آتا ہے جو ابی حنیفہ کی امامت اور مناقب کے بارے میں قطعِ قطعی حقائق کے منافی ہو، اور وہ اسی نکتہ کو پکڑ کر خبر کو ہر طرف سے ختم کر دیتا ہے، چاہے اس سند میں کوئی اور آدمی ہو جو اُس سے کہیں کمزور ہو۔

یہ دونوں رجلین کے تلاش کے طریقوں میں بڑا فرق ہے، خلاصہ تشخیص:

1- المعلمی شافعی تعصب میں شدت رکھتا ہے، وہ ابو حنیفہ پر کسی بھی طعن کو قبول کرنے میں بڑی آسانی دیکھتا ہے، بلکہ وہ دیکھتا ہے کہ الخطیب نے جو گندی باتیں نقل کیں جو کسی دوسرے مسلم کے بارے میں قبول نہ کی جاتیں، وہ دراصل نرم رویّ کا مظاہرہ تھا، اور اُس نے صرف وہی پیش کیا جو اُس کے نزدیک ثابت یا شبہ ثابت تھا اور وہ جو واضح طور پر ساقط تھا اسے چھوڑ دیا! اما کوثری سمجھتا ہے کہ ابو حنیفہ کی امامت علم و دین و فضل میں امتِ مسلمہ — بلکہ امت کے علماء — پر ایسی بلند مرتبہ ہے کہ وہ بعدِ ازاں کسی اور کی نہیں جا سکتی! البتہ وہ مانتا ہے کہ فروعی مسائل غور و اجتہاد کا مقام ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ابو حنیفہ کسی مسئلے میں ایک اجر پائے نہ دو اجر، اسی لیے میں نے کبھی اُن سترہ مسائل میں داخل نہیں ہوا جن میں المعلمی نے کوثری سے بحث کی جو دوسرے مجلد کے آغاز میں ہیں "التنکیل"۔

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو صفاتِ حادثہ سے منزہ قرار دینے والی روایات کا تعلق ہے: کوثری نے اس میں کھل کر مخالفت اور فیصلہ کیا، اور المعلمی خاموش رہا اور پھنسا، اور صرف انہی مسائل پر بات کی جن کا میں نے اشارہ کیا، اور وہ مسائل نہ تو کچھ بڑھاتی ہیں نہ گھٹاتی ہیں۔

2- اور دونوں کے منہج کا ایک اور جوہری فرق یہ ہے: کہ المعلمی کے اندر ایک وسیع تصور موجزن ہے، گویا ایک کہانی ساز تصور، جو اُسے بعض علمی مسائل میں قطعی حکماً حصہ دینے پر مائل کرتا ہے، جن میں سے ایک مثال یہ ہے:

(1)

مسعود بن شیبہ کی شخصیت کا انکار

ا- اس کا کلام "التنکیل" میں جو کہ اس کے کتاب "التعلیم" کے مقدمہ میں طباعت ہوا، اور اس میں ایک نئے مورخ کے طور پر مسعود کا نام شامل کیا گیا: الحافظ السخاوي، کیونکہ اُس نے "الجواهر والدرر" کی مقدمہ میں اُنہیں ذکر کیا تھا، اور میں کہتا ہوں: غور کرو کہ السخاوي — جو ابن حجر کے قبول شدہ شاگردوں میں سب سے افضل تھا — اپنے استاد کے وہ کلام کیوں نظر انداز کرے جو "لسان المیزان" (7693) میں مسعود بن شیبہ کے بارے میں ہے۔

(1)اور جو کچھ (کشف الظنون) کے آخر میں السخاوي کے کلام پر آیا ہے "الجواھر والدرر" پر، اور عبد اللہ بن محمد بن احمد الحسینی النیسابوری کی مکمل ترجمۃ "الدرر الکامنۃ" میں پڑھو2:286-289 اور اس کا نمبر (2206)، جو کہ السخاوي نے اپنے قلم سے ابن حجر کے مخصوص حوالہ جات پر استدراک کیا، اور خاص طور پر صفحہ 287-288 کے آخر میں جو لکھا ہے وہ پڑھو۔

.(0426:1) 2

(3) 1 : 427 .

(4)362:2 ومابعدھا

پھر المعلمی کے اس کلام کے ساتھ اس کا دوسرا کلام (2) حنفیوں اور مسعود بن شیبہ کے بارے میں ملاؤ، پھر اس کے کلام کی خاتمہ ملاحظہ کرو: "وبالجملۃ: فإن مجاملۃ الشافعیۃ للحنفیۃ بلغت حد الإدھان، فحسبھا الأستاذ — الکوثري — استکانۃ لا احراک بعدھا... وقد جرت في کتابي ھذا علی المجاملۃ ما أمکن، وأعددت لاستیفاء الحق عدتہ إن جئت إلیہ".

پھر اگلے صفحے پر کہا(3): "أما: إرجاء أبي حنیفۃ فقد نظر نافیہ في (الاعتقادیات) وبذلک تنکشف مغالطۃ الأستاذ، علی أني سلکت ھناک — في (الاعتقادیات) — سبیل المجاملۃ، ولیس ھذا موضع استیفاء الحق" تو پھر المعلمی (ذہبي العصر) کے بارے میں تعصب بِذہبی سے یتّعت کہاں؟! اور کیا علم میں مجاملۃ جائز ہے! اور خاص طور پر (الاعتقادیات) میں؟! جواب (ذہبي العصر) اور اس کے پیروکاراں کے پاس ہے۔

(1) اور جو کچھ (کشف الظنون) کے آخر میں السخاوي کے کلام میں آیا "الجواہر والدرر" پڑھو، اور عبد اللہ بن محمد بن احمد الحسینی النیسابوری کی ترجمۃ مکمل "الدرر الکامنۃ" 2:286-289، نمبر (2206)، جو السخاوي نے قلم سے استدراک کیا، اور ابن حجر سے اپنے استاد کے استدراک کو پڑھیے، اور خاص طور پر صفحہ 287-288 کا آخر ملاحظہ کریں۔

(0426:1)2

(3) 1 : 427 .

(4)362:2 ومابعدھا

اور قارئ کریم کو یہ واضح ہونے دیں کہ المعلمی شافعی کا کتنا بغض تھا جب اس نے "التنکیل" لکھی، وہ اسی صفحے کے آخر پارہ پڑھے (1)، جس میں کہا ہے: کہ کوثری نے البخاری پر بات کی کیونکہ البخاری نے ابو حنیفہ پر بات کی، پھر المعلمی نے اپنے کلام کا اختتام (2) ابو عمرو الخفاف کے کلام نقل کر کے کیا جو البخاری کی تعریف میں کہا: "من قال فیہ شیئاً فعلیہ مني ألف ألف لعنۃ)!" اور عربی مثل یاد رکھیے: "إیاک أعني واسمعي یا جارۃ"۔

نہ کوثری نہ کوئی اور البخاری امام کے علوم سے بے نیاز ہے جو ہر ایک لفظ میں بہار ہے جو اُس نے لکھا، اللہ عنہ، عنہ، مگر یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہر قول یا رائے کو کسی بھی راوی کے بارے میں قبول کیا جائے۔

المعلمی سے پوچھو — اور اس کے پیچھے ابو — اور اس کے پیچھے ابو عمرو الخفاف —: آپ کا کیا قول ہے ابو حاتم، ابو زرعہ، اور محمد بن یحیی الذھلي کے بارے میں، کیا آپ اُن پر اللہ سے ایک ملین لعنت نازل کرنے کی اجازت دیتے ہیں؟ کیونکہ امام البخاری کی ترجمۃ میں اُن کے بارے میں جو آیا ہے (3) جسے اُس نے (الجرح والتعدیل) ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے (4): "محمد بن اسماعیل البخاري، ابو عبد اللہ، نے اُن سے سنا میرے ابو اور ابو زرعہ نے، پھر انہوں نے اُس کا حدیث ترک کر دیا جب محمد بن یحیی النیسابوری نے انہیں لکھ کر بتایا کہ 'قال لھُم: إنہ أظھر عندھم أن لفظہ بالقرآن مخلوق'؟!" اور المعلمی بخوبی جانتا تھا کہ ابو عمرو الخفاف کا مراد ہے اُن پر ایک ملین لعنت نازل کرنا کیونکہ اُنہوں نے اس فتنہ

کی بڑی قیادت کی جس نے امام البخاری کو مشکلات اور مصائب میں مبتلا کیا—جیسا کہ آپ "فتح الباری" میں پائیں گے (1) اور "ہدی الساری" کے آخر میں—اور وہ امام محمد بن یحیی الذھلي النیسابوری—اور مراد یہ نہیں کہ وہ البخاری میں کسی مرد کی جرح یا تعدیل میں اختلاف چاہتے تھے۔

(2)

الخفاف کون ہے

اور اس وقت میں کہوں گا الخفاف سے پہلے، المعلمی سے دوسرے، اور "التنکیل" کو پھیلانے والوں سے تیسرے: آپ لوگوں میں امانت اور تقوی کہاں ہے، اگر آپ ایسے ائمہ تینوں اور اُن جیسے دوسروں پر یہ ملین لعنتیں نازل کریں گے، اور پھر کوثری پر بھی؟! اور میں امام الخفاف اور العلامہ المعلمی سے پوچھتا ہوں: کیا آپ لوگوں کو یہ موافق ہے کہ علماء کے جمھور میں کسی مخصوص مسلم کو لعنت کرنا جائز ہو؟!

(3)

ب- اور المعلمی کے خیال کی ایک اور ستم ظریف چیز "التنکیل" میں ہے جس میں اُس نے ابن معین کے بارے میں کہا: "کہ اگر وہ اپنے سفر میں کسی شیخ سے ملتا اور اس سے مجلس سنتا، یا بغداد میں کوئی شیخ آتا اور وہ اس کی مجلس سنتا تو وہ وہ احادیث سیدھی پاتا پھر جب اس شیخ سے سوال کیا جاتا تو وہ اسے توثیق کرتا، اور ممکن ہے کہ وہ شیخ دراصل دجال ہو جس نے ابن معین کا استقبال صحیح احادیث کے ساتھ کیا مگر پہلے اُس نے ملغوبہ کر دیا یا بعد میں ملغوبہ کیا"!! اور میں کہتا ہوں: پہلا منظر: جی ہاں، ابن معین اور دوسروں کا معمول ہے کہ وہ جب کسی کا احادیث پر تلاش کریں اور انہیں سیدھی پائیں تو وہ اس آدمی کو توثیق دیتے، مگر معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں ہوتا، بلکہ غفلت ہوتی ہے، اور آئندہ لائنز کا انتظار کریں۔ مگر یہ کہ ابن معین کو کوئی دجال، دجل باز سے صحیح احادیث کے ساتھ استقبال کرے تاکہ وہ ابن معین کو اپنے توثیق سے بری الذمہ بنوا سکے، اور یہ سب کچھ کر کے وہ دوسرے علماء الجرح کو خاموش کرے، پھر وہ جو چاہے کرے: خدا یا نہیں! اور مشرِقین جو اسلام کے دشمن ہیں اور خاص کر سنت کے دشمن، ایسے الزام کی تلاش میں اپنے پسندیدہ امام—جو چار میں سے ایک ہے اور ان میں سے تین زمانہ میں روایت و درایہ میں سب سے زیادہ عالم تھے: ابن معین، ابن المدیني، احمد اور البخاری—کو ملامت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے؟ پھر آپ کس دلیل یا برہان سے ایسے الزام کو ان تین بقیہ ائمہ سے دفع کریں گے؟ بلکہ اُن سے پہلے اور بعد میں جو علماء آئے وہ اسی طرح ایسے الزامات کے تابع ہیں، تو کیوں خاص طور پر ابن معین؟ جب طریقہِ کار ایک ہی ہے، یعنی راوی کی احادیث کا سبر کرنا اور اس کے ذریعے اُس کا حکم لگانا؟ المعلمی نے خود "التنکیل" میں کہا ہے (1): "ان کا—یعنی علماء الجرح والتعدیل—بڑا انحصار توثیق و جرح میں راوی کے حدیث کو سبر کرنے پر ہے"۔ اور اس کے اس معنی کی تکمیل اور تاکید کے کلام کو ملاحظہ کریں اور کیا مسلم کے لیے جائز ہے کہ وہ ابن معین پر ایسے احتمال کو عائد کرے جب وہ جانتا ہے کہ ابن حبان نے "المجروحین" کی مقدمہ میں کیا کہا ہے (2)؟ وہ لکھتا ہے:

(1) 1 : 67 .

(2) 1 : 32 .

یحیی بن معین عفان بن مسلم الصفار کے پاس آیا تاکہ وہ بن سلمۃ کی کتب سن سکے، اس نے اس سے پوچھا: کیا تم نے انہیں کسی سے سنا؟ اس نے کہا: ہاں، سلمۃ نے مجھے بتایا، تو اس نے کہا: واللہ میں نے تمہیں نہیں بتایا، تو حماد نے سولہ سترہ افراد کے بارے میں کہا: وہ سب کا خلاصہ ہے کہ وہ درہم ہے، اور پھر وہ بصرہ کو گیا اور التبوذکی سے سنا، تو اس نے کہا: تمہارا کام ہے، وہ بصرہ گیا اور موسیٰ بن اسماعیل—التبوذکی—کے پاس آیا اور کہا

غلط کے بارے میں...

لُوسّی: تم نے یہ کتب کسی سے نہیں سنی؟ کہا: میں نے انہیں سترہ نفس کی شکل پر سنی اور آپ اٹھارہویں ہیں، تو کہنے لگا: اور تم اس کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ کہا: حماد بن سلمۃ خطا کرتا تھا، اس لئے میں نے چاہا کہ اس کی خطا کو دوسروں سے جدا کروں، پس جب میں دیکھتا کہ اس کے اصحاب کسی بات پر متفق ہیں تو جان لیتا تھا کہ غلطی خود حماد کی ہے، اور جب وہ لوگ کسی بات پر متفق ہیں جو اس کے خلاف ہے اور ان کے درمیان سے ایک شخص اس کے خلاف کہتا ہو تو جان لیتا تھا کہ غلطی اسی میں ہے نہ کہ حماد میں، پس میں اس چیز میں فرق کرتا ہوں جو اس نے خود غلط کی اور جو اس پر غلط کی گئی۔

پس جب ہم ابن معین کے بارے میں ایسی خبر اور اس جیسے اخبار پڑھتے ہیں، تو ہم بعد ازاں اس مُعَلّمی کے اس گمان سے ابن معین کی حقیقت کا اِدراک کر لیتے ہیں، مشرق سے مغرب تک۔

یہ ہے ابن معین —اور دیگر کے— طریقۂ حکم عن الرجل خلال سبر مرویاتہ، نہ وہ زبوں طریقہ جو المُعلّمی نے اس پر الزام کیا!!

اور اسی مسخ شدہ تصویر کی بنا پر جو مُعلّمی کی خیالی دنیا میں ابن معین کے بارے میں ہے، تُسے پاتے ہیں کہ وہ اس کی توثیق نہ کرنے میں اعراض کرتا ہے، اور نہ اس کا اعتِداد کرتا ہے: ابن سعد، والعجلي، والنسائي، وابن حبان، جیسا کہ تُسے پاتے ہیں اس کے(1) « التنكيل » میں، وابن شاہین تو بالفرض اولی ہے۔

ج- اور اگر یہ گمان اس حد تک پہنچ گیا ہو، اور ابن معین تک!!، تو اس سے بعید نہ ہے کہ وہ السیوطی پر بھی گمان کرے جیسا کہ تُسے اس کی تعلیقات میں ملتا ہے علی « الفوائد المجموعۃ » للشوكاني کے حواشی میں(2).

(3)

قال الشوكاني عن حديث ردّ الشمس لعلي رضي الله عنه: رواه الطحاوي في « مشكل الحديث » من طريقين و قال: هما ثابتان ورواتهما ثقات، فعلق عليه المُعَلّمي بقوله: « البحث في « مشكل الآثار للطحاوي » وليس فيه هذه العبارة، والمؤلف أخذها من اللآلئ » —للسيوطي(4)—، وصاحب « اللآلئ » نقلها عن « شفا »، ولا بعد أن يكون السيوطي راجع كتاب الطحاوي فلم يجد هذه العبارة، ولكن لم تسمح نفسه بترکها!!» یہ وہ حسن ظن ہے جو المُعلّمی اپنے اندر سموئے بیٹھا ہے! حق کبار اعلام عصرھم، اور مجھے معلوم نہیں کس چیز نے اسے وہ حسن ظن سیوطی کے حق میں لکھنے پر مجبور کیا؟! اور نہ مجھے معلوم کہ اس نے اسے گمان کیوں کہا اور نہ یہ کہ « یہ عبارت النسخۃ المطبوعۃ میں موجود نہیں »؟! اور نہ کیوں اس کو كتاب الطحاوي کے راویوں کے اختلاف پر محمول کیا؟! اور ایسی علمی احتیاط میں وہ شِدّت جو میں نے المُعلّمی سے « التنكيل » میں دیکھی تھی(1) جب اس نے ذھبی کے ابن سعد کے منقولہ کلام کا ذکر کیا جو وہ « طبقاتہ » (المطبوع) میں نہیں دیکھتا تو اس میں ٹھہرا، گویا اس کی وجہ سیوطی کی کم قدر بینی تھی، اور یہاں وہ ذھبی سے ڈرتا ہے؟۔

والكوثري تناول عدداً من الأئمة بالطعن، ولكنك لن تجد في كلامه طعناً في واحد منهم بناءً على التكهن وسوء الظن به، إنما يقابل الحجة بالحجة، جَرَحَ وطعن، وخاصم وردَّ، بنفس ملؤها المحاكمة إلى العلم والدليل والبرهان، سواء أكان برهانه مرضياً عند خصومه أم غير مرضٍ، بسبب اختلاف مدرستيهما(2).

وقد قال الكوثري في « الترحيب » عن هذا المزاج من المُعَلّمي: المُعلّمي ممن يتوهم شيئاً ويُلزم به صاحبه كحقيقة واقعية، وهذا طراز في النقاش ليس في استطاعتي أن أساجله فيه » .

د- ولا ريب أن الكوثري بذل جهداً طويلاً في تأليف كتابه « التأنيب »، ولا ريب أن المُعلّمي بذل جهداً أكبر في كتابه « التنكيل »، لذلك فالدخول في التفاصيل بينهما أمر صعب وطويل، ولكن وقفت على نموذج أذكره مادمت أتحدث عن تخيلات المُعلّمي.

تحدث الكوثري في « التأنيب » في أسطر من الطبعة القديمة عن محمد بن جبويه النحاس، وجاء كلامه في نحو ثلاثة أرباع الصفحة من الطبعة الجديدة، فنقده المُعلّمي في « الطليعة » من الطبعة التي في أول « التنكيل » من الحرف الصغير، ووصف كيف كان الكوثري ينتقل من كتاب إلى كتاب، وكيف كان يقلب كأنه كان معه حين كتب هذه الأسطر !! ليصل إلى الاحتمالات، حتى تخطئته وتوهيمه.

ومما جاء في كلام الكوثري النقل عن « فضائل أبي حنيفة وأصحابه » لابن أبي العوام: (حدثني محمد بن أحمد بن حماد قال: حدثنا إبراهيم بن جنيد قال: حدثنا عبيد بن يعيش قال: حدثنا وكيع ...).

وتكلم المُعلّمي على هؤلاء الرجال في « الطليعة » فأحال ترجمة ابن حماد على « لسان الميزان »، وأما ابن جنيد وشيخه عبيد فقال: « إن كان هو الرقي: فمجهول، كما في « اللسان »، وإن كان هو إبراهيم بن عبد الله بن الجنيد الختّلي، نُسب إلى جده: فثقة، لكن لم أر في ترجمته من « تاريخ بغداد » ذكر عبيد بن يعيش في شيوخه، ولا محمد بن أحمد بن حماد في الرواة عنده، وأما عبيد بن يعيش: فذكره ابن حبان في « الثقات » وقال: كان يخطئ ».

ولو ذهبت أتكهّن على المُعلّمي وأعامله بمثل معاملته ليحيى بن معين — مثلاً — لقلت فيه كلمات ما أحب أن أسجلها، لأني أميل إلى عذره فيما يكتبه وهو بهذا الحال من توتر وتشنج!.

من أين جاء المُعلّمي بكلمة ابن حبان: «كان يخطئ» في عبيد بن يعيش؟ عبيد بن يعيش من شيوخ البخاري — في غير «صحيحه» — ومسلم، والنسائي، وهو من رجال « التهذيب »، و« تهذيب التهذيب » عند طرف إصبع المُعلّمي وقلمه أثناء تأليف « التنكيل »، ونقل فيه ابن حجر عن عدد من الأئمة توثيقه، وعن ابن معين وأبي حاتم: « صدوق »، ثم نقل كلمة ابن حبان، فما باله تعلّق بكلمة ابن حبان، وأغمض عن غيرها؟ ثم إن الحافظ ذكر في الرواة عن عبيد بن يعيش: إبراهيم ابن الجنيد، ونسبه المزي كاملاً: إبراهيم بن عبد الله بن الجنيد الختّلي، فما باله أفصح برجوعه إلى « تاريخ بغداد »، وليس هو كتاباً أو ليأرجع إليه في هذا المقام، ولم يفصح برجوعه إلى « تهذيب التهذيب »؟ فهل هذه نزاهة في البحث وإنصاف؟!.

وبرودة المُعلّمي في كلامه عن ابن حماد تدل على أنه ما يعرفه أنه الدولابي صاحب « الكنى والأسماء » لولا أنه أحال على « لسان الميزان »، كما أن برودة كلامه في عبيد بن يعيش تدل على أنه ما يعرف أنه من رجال « التهذيب »، وهذا كله من تجاهل العارف، ورجل يقول عنه أبو داود في سؤالات الآجري: «ثقة ثقة» يجعلنا نقول في كلمة ابن حبان فيه «كان يخطئ»: إنها من تتبع ابن حبان في الجرح، والمُعلّمي معروف في تشدده، وغرس ذلك في نفوس قرائه عامة، وصار من المسلمات عندهم: عدم الاعتداد بتوثيق ابن معين وابن سعد وابن حبان والعجلي! كما قدمته قبل قليل عنه، ويُلحق بهم النسائي، لكن ما يزال للنسائي مهابة في نفوس قرائه بعد، وهو يقدّم أيّ غمز لضبط الرجل أو عدالته، على أيّ تعديل مطلق.

وقد يكون عند الكوثري شيء من هذا التعنت أو أشدّ، لكن في حال مخالفة رواية هذا الرجل للمقطوع به أو نحو ذلك، مما هو أقوى عملاً عند الأئمة، تطبيقاً لكلام الأئمة في رد الشواذ والمناكير، وحرصاً على استقرار الخط العام الذي عليه جماهير الأئمة اعتقاداً وعملاً وفقهاً، وهذا الذي يصف به المُعلّمي الكوثري ويسميه: الهوى، وما هو بالهوى، إنما هو حبُّه الشديد لإبقاء أمور العلم والدين والعقيدة والفقه مستقرة على منهج أئمة الإسلام ولا تصبح ألعوبة، كما وصلنا إليه الآن، ونعوذ بالله منه ومما سيأتي!.

هـ–وآخر ما أريد أن أتحدث عنه من مناقشات المُعلّمي للكوثري قولُ الكوثري في «التأنيب»: «وانفرد برواية الرّضخ أنس رضي الله عنه في عهد هرمه، ومن رأي أبي حنيفة أن الصحابة رضي الله عنهم مع كونهم عدولاً ليسوا بمعصومين من مثل قلة الضبط الناشئة من الأمية أو كبر السن، فيرجح رواية الفقيه منهم على رواية غيره عند التعارض، ورواية غير الهرم منهم على رواية الهرم كذلك، ابتعاداً عن مكان الغلط».

وأكد ذلك في «الترحيب» فقال: «وليس في هذا أدنى مساس بالصحابة أنفسهم، وعد ذلك طعناً: تقول قبيح والمقارنة بين الأقوال والروايات والموازنة بينها: شأن من اتسع العلم...، وهذا مشهور في كتب أهل العلم، وليس في هذا مساس، وكبرُ السنّ أمر لا مهرب منه لمن يعيش، وهو من نعم تعالى، وإن كان لا يدَع حافظة المرء على ما كانت عليه في عهد الشباب».

قلت: أؤكد للشيخ المُعلّمي ولغيره: كه جلالة أنس بن مالك عند كل مسلم فوق جلالة أبي حنيفة والكوثري ومن بينهما، لكن الغرض إنصاف الكوثري من اتهام المُعلّمي لا غير، هذا كلام الكوثري، وانظر كلام المُعلّمي.

قال المُعلّمي في «الطليعة» — مع «التنكيل» —: «أقول: المقصود هنا في هذه العبارة من زعمه أن أنساً هرم واختل ضبطه، ولا أعرف أحداً قبل الكوثري زعم هذا» ثم راح يتحدث عن نسيان أنس بعض حديثه لما كبر، وأنه لا يلزم من النسيان اختلال الضبط.

وهذا عجيب، الكوثري يقول: إن أنساً هرم، ولم يقل: نسي، ولا اختل ضبطه، والمُعلّمي يحمّل الكوثري القول باختلال ضبطه، ولم يَحمِل قوله هذا على النسيان، فلم؟ وراح يطيل بما لا طائل تحته من ذكر معمرين كلهم ثقات لم يوصف أحدهم بتغير. وختم كلامه بقوله: «وأما من جهة كمال العقل وحضور الذهن فلم يزل أنس كامل العقل حاضر الذهن حتى مات».

وأقول: روى البخاري في صحيحه أن معبد بن هلال العنزي ذهب هو وناس من أهل البصرة إلى أنس رضي الله عنه، ثابت البناني، فدخلوا على أنس فحدثهم بحديث الشفاعة الطويل، وخرجوا من عند أنس فمرّوا بالحسن البصري، فحدّثوه بما حدثهم أنس وسكتوا، فقال: «هيه»، فقلنا: لم يزدنا وصحبوا معهم على هذا، فقال: لقد حدثني — وهو جميع — منذ عشرين سنة، فلا أدري أنسي أنس أم كره أن يتّكِلوا..».

وروى مسلم من طريق أبي ريحانة، عن سفينة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل بالصاع ويتطرّ أ بالمد، وقال أبو ريحانة: وقد كان سفينة كبر، وما كنت أثق بحديثه.

فهل في كلام الكوثري خروج عن لازم كلام هذين التابعيين؟ وهل ترى في تفسير المُعلّمي لكلام الكوثري أمانة ودقة؟ أبداً.

وقال ابن القطان في كتابه «بيان الوهم والإيهام»: «إن سهيل بن أبي صالح وهشام بن عروة لَمِنهم» أي: من المختلطين فتعقبه الذهبي في «الميزان» ترجمة هشام بن عروة وقال: «أحد الأعلام، حجة إمام، لكن في الكبر تناقص حفظه، ولم يختلط، ولا عبرة بما قاله أبو الحسن ابن القطان من أنه وسهيل بن أبي صالح اختلطا وتغيرا، نعم، الرجل تُغير قليلاً ولم يبق حفظه في الشيبة، فنسي بعض محفوظه، أو وَهِمَ، فكان ماذا؟ أهو معصوم من النسيان؟! ولما قدم العراق في آخر عمره حدث بجملة كثيرة من العلم، في غضون ذلك يسير أحاديث لم يجوّدها، ومثل هذا يقع لمالك وشعبة ولوكيع وللكبار الثقات».

فهل يختلف كلام الكوثري عن كلام الذهبي؟

وقال الكوثري في أوائل «الترحيب»: «وليس تخيير الإمام الأعظم في روايات الصحابة بدعاً في هذا الباب عند من ألم بهذا البحث إلماماً كافياً، وأسماء الصحابة الذين رغب الإمام — أبو حنيفة — عما انفردوا به من الروايات مذكورة في «المؤمل» لأبي شامة الحافظ، وليس هذا إلا تحرياً بالغاً في المرويات يدل على عقلية أبي حنيفة الجبارة، المزيلة لكثير من شكوك المتشككين، وفي «النكت الطريفة» و«التأنيب» بعض بسط في هذه المسألة»، فيكون افتتاح الناقد — المُعلّمي — كتابه «طليعة التنكيل» بغزو الطعن في الأئمة بل الصحابة والتابعين، إلى من يجادله — هو الكوثري — زعماً مجرداً من غير أي دليل، ومن أسوأ ما يفعله داعية في الدعاية لما هو بسبيله».

وقد اقتطع المُعلّمي أول هذا الكلام فنقله أول «التنكيل» وأدخله في كلامه في الدفاع عن أنس رضي الله عنه فقال: (وينبغي أن يُعلم أن منزلة أنس رضي الله عنه عندنا غير منزلته التي يجعله الأستاذ — الكوثري — فيها، فلسان حال الأستاذ يقول: ومن أنس؟ وما عسى أن تكون قيمة رواية أنس في مقابلة الإمام الأعظم وعقليته الجبارة، كما أشار إلى ذلك في «الترحيب» إذ قال: «وأسماء الصحابة الذين رغب الإمام عما انفردوا به من الروايات مذكورة في «المؤمل» لأبي شامة الحافظ، وليس هذا إلا تحرياً بالغاً في المرويات يدل على عقلية أبي حنيفة الجبارة»).

فهل هذه أمانة ودقة؟! وانظر هذا التستر تحت قوله: «لسان حال الأستاذ يقول!» حتى إذا قيل للمُعلّمي: إن الكوثري لم يقل هذا، أجاب وتخلّص: بأنني قلت: هذا لسان حاله!! ولا أدري لو أنني دخلت في تفصيل المناقشة بينهما في الرجال، هل سأجد تحريفاً وتقويلاً من المُعلّمي للكوثري أسوأ من هذا؟ الله أعلم.

وإذا كان المُعلّمي يسوءه ادعاء الكوثري أن أبا حنيفة يتخير من أحاديث أنس، فيأخذ بعضاً ويترك بعضاً، ويعتبر المُعلّمي هذا الصنيع تحكماً في سيدنا أنس ومروياته: فعلى الدنيا — و«التنكيل» — السلام والعفاء، وهل يمكن لأي إنسان أن يأخذ بمرويات الصحابة جميعهم في كل جزئية؟ فإذا كان مستحيلاً، وكان لابد من التخير لقول واحد تدعمه القرائن الأخرى، فإذا آل القول إلى أن هذا شأن كل إمام وعالم، ولا غضاضة على أي إمام فعل ذلك، ولا على الكوثري إذا قال هذا المعنى بشكل عام.

أما التحوير والتزوير، وحكاية ما في نفس الخصم (المُعلّمي) على لسان حال خصمه (الكوثري): فهذا مالا أساجل فيه المُعلّمي اقتداء بالكوثري، في عدم مساجلته له فيما ينتجه خياله وتوهمه، وأدع الأمر لكل قارئ منصف، وهذا الصنيع من المُعلّمي معيب جداً عند أهل العلم، لا يكون إلا من عاجز عن مقارعة الحجة بالحجة، فيتجوه على خصمه بجلالة من يوهم كلامه أن الخصم ينتقصه وكتاب «المؤمّل» لأبي شامة غير مطبوع، إنما طبعت مقدمته، ولا أدري هل خصّ أبو شامة رحمه الله الإمام أبا حنيفة بالذكر في هذا الأمر، أو أنه ذكر هذا التخير عن الإمام، ثم ذكر مثله عن غيره من الأئمة؟ ذلك أني أرى أن هذا التخير واقع كل إمام، فمن الأولى أن تكون عبارة الكوثري حينئذ: «وأسماء الصحابة الذين رغب الإمام — وغيره — عما انفردوا به من الروايات مذكورة في «المؤمل»». والله أعلم.

وقبل أن أختم حديثي عن هذه المسألة مع الشيخ المُعلّمي، أحكي هذه الطرفة عن واحد من مدرسة المُعلّمي. تعرّض أستاذ جامعي للردّ على الكوثري، وتجوّه أمام الطلبة بمقام الصحابي الجليل أنس بن مالك خادم رسول الله صلى الله عليه وسلم وسلم، وأن الكوثري يتطاول على هذا الصحابي الكريم، ويتهمه بالخَرَف! فتقدم إليه أحد الطلبة الذين تربوا على يد هذا الأستاذ وتوجيهه العلمي بالتثبت في النقول، فقال له: أين قال الكوثري هذا الكلام، وفي أي كتاب له قرأته فيه؟ فقال: قرأته في كتاب العلامة المُعلّمي «التنكيل»، فقال له الطالب: وهل هذا يصح؟ أن تنقل عن الكوثري من كتاب خصمه ولا ترجع إليه مباشرة، وهو في متناول يدك؟ فسكت الأستاذ!.

> فلينظر القارئ الكريم مراحل هذا التطور: الكوثري يقول: روى أنس في عهد هرمه، فزعم عليه المُعلّمي مفسّراً قوله: اختل ضبطه، فنقل الأستاذ الجامعي عن المُعلّمي: خرف أنس!! ولو تصرف هذا التصرف الكوثري، أو أحد طلاب مدرسته — وبرأهم الله من ذلك — لكُتبت المقالات في كشف عُواره، وفي تضليله والبراءة منه، ولأُدرِج في قائمة: محرّفي النصوص.

وخلاصة هذا المطلب: وضوح ما بين الرجلين من دقة وإنصاف.

الخلاصه

وبعد: فإن الذي أخلص إليه من حديثي كله:

1- أن الكوثري إمام محقق، جَبَلٌ نُفِخ فيه العلم، متفنّن في العلوم الثوابت للإسلام: من عقيدة وحديث رواية ودراية، وفقه، وأصول.

2- غيور على دين الله تعالى وشريعته.

3- حريص على بقاء استقرار الأحكام الشرعية عقدية أو فقهية على ما ورثه المسلمون عن علمائهم جيلاً بعد جيل.

4- ينقض انقضاض النَّسر على من يحاول المساس بهذا المعتقد، ولا يداهن ولا يماري في ذلك.

5- ولكل مقام عنده مقال، ولكل حادث حديث، فهو حكيم في وضع الأمور مواضعها من قبول أو ردّ، وهذا ما يسميه خصومه — خطأً —: تناقضاً.

6- ومنهجه في ذلك واضح: يترسّم فيه خُطا الأئمة السابقين، رسمه في ذهنه ومشى عليه في كتابه الأول (« التأنيب »)، وكتبه وأوضحه في أول كتابه الثاني « الترحيب ».

7- وخلاصته: أنه يتطلب الأدلة القاطعة لثوابت الدين، ويرد ما يخالف القطعي منه ولو لأدنى شبهة، ويرضى بالظني منه في فروعه.

وهذا ما عليه علماء الإسلام، وقد نقلت — من مواضع متفرقة — من كلامه ما يدل على ذلك.

8- في أسلوبه شدّة، عذره فيها محبّوه وعارفو الظرف الذي عاشه، ونقمه عليه شانئوه.

9- والناقمون عليه: إما مخالفون في الخط والمنهج والمشرب الذي كان عليه الكوثري، كلياً، مثل: محمد حامد الفقي، وذويه. وإما موافقون له في الخط والمنهج والمشرب كلياً، لكنهم متمذهبون لغير المذهب الحنفي، كالشيخ المُعلّمي الشافعي، والشيخ محمد العربي التبّاني المالكي، فإنهم كتبوا ما كتبوا انتصاراً لمذهبهم الفقهي لا غير.

وممن عذره وهو على غير مذهبه الحنفي: الشيخ سلامة العزامي الشافعي، فإنه لما اطلع على كتاب الكوثري « إحقاق الحق » وما فيه من قسوة على إمام الحرمين، وإثارة حكاية ما قيل عن أن الإمام الشافعي رضي الله عنه غير قرشي صليبة، قال الشيخ سلامة: الكوثري صاحبنا، الكوثري صاحبنا.

ورحم

الله تلك النفوس الصافية، والعقول النيرة البصيرة.

أما الاقتراح: وأختم حديثي به، وبرجاء معه:

أرجو أن يكون لهذا المؤتمر الخير، والمجتمع المبارك ثمرة باقية خالدة إن شاء الله، يصل خيرها إلى كل محب للوصول إلى العلم المحقق من مورده الصافي، من خلال مجموعة صغيرة في حجمها،

قليلة أعداد مجلداتها، لكنها تُغني عن مكتبات ضخمة في عدد أسفارها، تسمى) موسوعة الإمام محمد زاهد الكوثري رحمه تعالى » ويكون ذلك:

١- بإعادة طباعة كتب الإمام الكوثري خاصة، والبحث عما لم يطبع منها.

٢- وبطباعة مقالاته بعد بحث جديد عن متمماتها.

- وبطباعة مقدماته، ويجد البحث عن مقدمات لم تطبع، إن

٤- ويكون ذلك تحت إشراف لجنة علمية متخصصة، ولها سابقة ممارسة للطباعة.

٥- ولا تتدخل اللجنة بالتعليق على شيء إلا عند الضرورة. ٦- وإذا تجمع شيء لديها يحتاج إلى تعليق فيعرض ذلك للدراسة: هل يلحق في أمكنه؟ أو يلحق في آخر الموسوعة؟ أو يلحق كلٌّ شيء بآخر كتابه؟.

٧- ويكون ذلك باللغة العربية والتركية، وغيرهما إن رأت اللجنة

وتكلف لجنة بالبحث الجاد عن مكتوبات ومنسوخات وخطوط الإمام الكوثري في دور المخطوطات: التركية والظاهرية والمصرية، وما عند أصحابه وتلامذته من رسائل بينهم، ولو كان الخط إهداء لهم على كتاب.

وممن يبحث عن مراسلات بينه وبين الكوثري من علماء الهند: مراسلاته مع مولانا العلامة الشيخ شبير أحمد العثماني، والسيد أحمد رضا البجنوري رحمهما الله تعالى، أما مراسلاته مع مولانا البنوري

فجمعت.

- وتجعل للموسوعة فهارس علمية متنوعة، ومنها: فهرس بأسماء الرواة، والعلماء، والكتب التي عرض لها الإمام الكوثري بجرح أو تعديل، أو مدح أو تقويم.

٩-ويكون مع الموسوعة قرص مدمج للبحث الكليمي

١٠-وتلحق بالموسوعة هذه البحوث المقدمة إلى هذا المؤتمر

الكريم، تامة كاملة

١١-وأن توجّه دراسات حديثية وفقهية لتراثه

١٢-وأن توجه عناية عدد من طلبة الدراسات العليا لتحقيق كتبه.

١٣-وأخيراً: أستميح العذر من السادة الموقرين أعضاء هذا المؤتمر، بأن ألتمس من سعادتهم الدعوة إلى مؤتمر آخر كهذا المؤتمر باسم شيخ الإسلام مصطفى صبري رحمه الله تعالى، وجزاكم الله خيراً. سائلاً الله عزوجل التوفيق لما يحبه ويرضاه من القول والعلم

والعمل.

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه وأتباعه في العلم

والعمل، وسلم تسليماً كثيراً، والحمد لله رب العالمين

الملاحق

الله الرحمن الرحيم

الحمد لله، والصلاة والسلام على سيدنا رسول الله

وبعد

فقد رغب السادة القائمون على (مؤتمر محمد زاهد الكوثري الدولي » أن أكتب كلمة عن مقال سعادة الأستاذ الدكتور توفيق بن أحمد الغلبزوري حفظه الله تعالى، عن « الجدل العلمي بين الكوثري وأحمد الصديق الغماري) بعد ما اطلعت واطلع عدد من الباحثين عليه، فرأوا أنها تمثّل وجهة نظر سعادة الأستاذ الدكتور الغلبزوري، وفيها ما ينبغي التنبيه إليه:

وخلاصة ذلك:

١- أن الدكتور الغلبزوري يحصر الخلاف بين الرجلين في أمر واحد، بدأ به الكوثري، وتكرر منه مرتين، وهو: تعريضه بالشيخ الغماري في معرض الردّ، وذلك في موقفين:

أولهما: أن الكوثري عرّض بالغماري في كتابه « التأنيب)، وذلك في محاولة الكوثري تقوية رواية: « لو كان العلم بالثريا » ، وقد سبق من الغماري تضعيفه، فظن الغماري أن الكوثري يعنيه

بقوله (١): « مَن وهى الحديث من أبناء العصر فقد أساء إلى نفسه.. » . ثانيهما: أن الكوثري كتب مقالاً سماه (كشف الرؤوس ولبس النعال في الصلاة » ، خلاصته: أنه لا يرى ذلك أبداً، وأن الغماري ألف جزءاً سماه « تحسين الفعال بالصلاة في النعال » ، وعنوانه ينبئ عن رضاه بذلك، وظن الغماري أيضاً أن الكوثري يعنيه بقوله في « مقالاته » (٢): وهؤلاء المتمجهدون الساعون في الفتنة » يرون ذلك

وأقول: إن هذا تظنٌّن من الشيخ الغماري، ولا يصح أحد منهما أبداً، وبيان ذلك:

أن القول الأول من الكوثري لم يُرد به أحمد الغماري جزماً وقطعاً، إنما أراد به أحمد أمين صاحب الكتب الثلاثة المشهورة « فجر الإسلام » و « ضحاه » ، و « ظهره » ، وأتبعها برابع يوم الإسلام » . ، وهو من القائلين بنظرية: فصل العلم عن الدين!! وقد أفاد هذه الفائدة الأستاذ أحمد خيري تلميذ الكوثري، وكتب في حاشية نسخته من (التأنيب » ، التي طبع كتاب « التأنيب) طبعته الأخيرة عنها، وكل تعليقاته مستفادة من الأستاذ الكوثري، كان يسأله عن المشكلات أو المبهمات، والشيخ يجيبه، وهو يسجلها على حواشي نسخته، ولو كان أحمد خيري يتوقع توقعاً

> ضعيفاً أن شيخه الكوثري يعني أحمد الغماري لطار بذلك

(١) ص ٦٣.

(٢) ص ١٧٠.

،

> ولسجّله وزوّقه، لما هو معلوم بين أحمد خيري والغماريين جميعاً.

(1)

وهذا نص ما كتبه أحمد خيري: « المقصود: هو الأستاذ أحمد أمين بك مؤلف ضحى الإسلام » ، ورئيس لجنة التأليف والنشر، والذي كان إلى عهد قريب عميداً لكلية الآداب بالجامعة المصرية

(جامعة فؤاد الأول (بمصر. خ » وهذا رمز اسمه: أحمد خيري. أما القول الثاني من الكوثري: فأجزم وأقطع أن الكوثري يريد به محمد حامد الفقي وجماعته، وذلك لأمرين: أولهما: أنه لم يكن

لأحمد الغماري طائفة (شعبية (تثير القلاقل والفتن في المساجد. ثانيهما: أن كلام الكوثري واضح جداً أنه يرد على طائفة لا على شخص، وذلك قوله (٢): « كثر التساؤل في هذه الأيام عن حكم صلاة المصلي وهو حاسر الرأس من غير عذر، وعن حكم الصلاة في النعال، حيث نجم أناس يَلَذُّلهم إنكار المعروف وإذاعة المنكر، ومفاجأة الجمهور بخلاف ما توارثوه خلفاً عن سلف،

وهؤلاء المتمجهدون الساعون في الفتنة بإثارة قلاقل بين المسلمين الله في عباداتهم له سبحانه، من أعجب الناس عقولاً، في بيوت وأشبههم بالخوارج في استعظام الصغير، واستصغار الكبير، ولا داعي للإفاضة في الكشف عن أحوالهم هنا، وقد عرفهم الناس بسعيهم في تفرقة كلمة المسلمين، فنبذوهم ودعوتهم في كل مكان).

(١) ص ٦٣ تعليقاً.

(٢) في أول مقاله المذكور ص ٢٠١

> فهل هذا الوصف ينطبق على أحمد الصديق الغماري، أم على جماعة محمد حامد الفقي: أنصار السنة المحمدية؟!.

> وخبر آخر: يُبعد أن يكون مراد الكوثري أحمد الغماري: هو أن

الكوثري ماكان يريد الدخول في ردود علمية بينه وبين الغماريين خاصة، أقول هذا مستفيداً له من قصة حكاها لي أستاذنا الأريب حسام الدين القدسي رحمه الله تعالى،

عامة، وأحمد منهم

قال لي: جاءني الشيخ عبد الله الصديق إلى مكتبتي، وأعطاني نسخة من كتاب أخيه الشيخ أحمد » إزالة الخطر) في جواز الجمع بين صلاتين دون أي عذر، وقال لي: لا تُطلع الشيخ - الكوثري - عليه، للكني أطلعت الشيخ عليه - وكيف لا يُطلعه عليه، وهو الذي ترك أهله ووطنه: دمشق، ولحق بالكوثري إلى القاهرة، حبًا فيه! وقلت له: إن الشيخ عبد الله أوصاني ألا أطلعكم عليه ، فقال لي الشيخ: يخافون أن أَرُدَّ عليهم؟ لا، لن أرد عليهم، ولكنهم يريدون أن يجعلوا الصلوات الخمسة ثلاثة.

أناس

> وقد أشار أحمد خيري إلى هذه القصة في قصيدته التي قالها في الذكرى السابعة للكوثري ونشرها في مجلة العشيرة المحمدية، في من أعداد عام ١٣٧٩هـ = ١٩٥٩م.

عدد

فهذا كان موقف الكوثري من الغماريين عامة، ومن أحمد منهم

خاصة.

> وقد يتساءل بعض القراء: لِمَ فهم أحمد الغماري كلام الكوثري

على هذا الوجه؟

والجواب: لثلاثة أمور: أحدها: ماهو معروف عن الغماري من

تسرعه في أقواله وآرائه إلى حد (المزاجية).

ثانيها: بغضه للإمام أبي حنيفة إلى حد بعيد، لا أحب حكايته، مع أن أنه طبع ونشر، وماحكاه الأستاذ الدكتور الغلبزوري في آخر المطلب الأول من المبحث الثاني: هو بعض يسير مما كان عليه أحمد

الغماري ثالثها: موقف آخر كان بين الرجلين، لكن ينبغي ذكر مقدمته. كتب الإمام السيد محمد عبد الحي الكتاني رحمه الله جزءاً، وهو في عنفوان شبابه، سماه: « الرحمة المرسلة بشأن حديث البسملة »، مال فيه إلى تحسين الحديث. فكتب الشيخ أحمد الغماري جزأين في الردّ عليه، سمى الأول منهما: « الاستعاذة والحسبلة ممن صحح حديث البسملة » ونَسَبه إلى نفسه، وسمّى الثاني منهما-وهو أكبر-كشف الأستار المسبلة (ونَسَبه إلى نكرة، نسبه إلى: أبي عبد الجراح الأردني، ذلك لأنه أسف إسفافاً شديداً جداً في اتهام السيد

الكتاني بعظائم الموبقات، مما يندى له جبين المسلم الكريم، عن عالم، يصف نفسه: بالإمام الحافظ المجتهد!!.

فضلاً

وكانت أنفة السيد الكتاني رحمه الله أجلّ من أن يلتفت إلى هذا

وذاك.

هذه المقدمة. وأما ما حصل بين الشيخين: فإن الكوثري الشهم الغيور اطلع على هذا الكتاب اطلاعاً سريعاً جداً، لكنه رأى فيه كلمتين بذيئتين، كل كلمة من ثلاثة أحرف، فما عرف قراءتهما، لبذاءتهما، إذ لا يتصور أن يكتب إنسان هذا الكلام في كتاب!، فأعاد القراءة ثانية وثالثة، فلما فهمهما ألقى الكتاب من يده، وبعد أيام قليلة رأى أحمد الغماري في طريقه، والكوثري على جانب، والغماري على جانب، فتحوّل إليه الكوثري، وشتمه شتماً شديداً، ومشى وليتصوّر القارئ الكريم ماذا حصل في نفس الغماري من الغضب

وثوران النفس والوعيد الشديد للكوثري!!!.

وأعود لأتمم الخلاصة التي أردتها أول كلامي فأقول:

٢-إن سعادة الدكتور الغلبزوري ركّز على كتاب الغماري « بيان تلبيس المفتري)، ومن لطف الدكتور-أثابه الله-أنه يكرر ذكر هذا

الكتاب باسم: « ردّ الكوثري على الكوثري ».

وتقويمي لهذا الكتاب من ناحيتين: أولاهما: أن الغماري يجتزئ في مواقف كثيرة كلمة من كلام الكوثري، ولو نقلها بتمامها، أو نقل مناسبتها وملابستها، لما ظهر للقارئ أي مأخذ فيها

ثانيتهما: أن الكتاب عنوان كبير على) مزاجية) أحمد الغماري، ذلك أنه ذكر في كتابه هذا طعن الكوثري في ديانة وعرض الإمام الحافظ ابن حجر، مما أنزه قلمي ولساني عنه، وأن كلام أبي حنيفة مقدس عند الكوثري أكثر من كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم!!.

ثم إنه أمسك عن إتمام كتابة هذا الردّ عليه « بيان تلبيس

لنا

المفتري » و قال معتذراً عن ذلك: « توقفنا لكون الرجل يدعي بالمحبة والصداقة، ولنا معه مجالس طويلة، والحق أولى منه، إلا أن سيدي عبد الله - أخاه الشقيق عبد الله الصديق- طلب مني أن أتأخر

عن إكمال الكتاب فتأخرت عنه، ولا بد إن شاء الله من إكماله » . أفليس هذا الإقدام ثم الإحجام عنواناً على (مزاجية) أحمد الغماري في علمه ورأيه ؟! ولقد عاش الغماري تسع عشرة سنة كاملة بعد طبع الكوثري كتابه « التأنيب » ولم يكمل الرد عليه، فأين الغيرة على العلم والدين والسنّة، وأعراض أئمة الإسلام -و منهم ابن حجر أشدُّ

الذين زعم الغماري انتقاص الكوثري لهم، بل افترى عليه وهو

من

ذلك؟؟

> والمقام العلمي لكلّ من الرجلين: الكوثري والغماري معروف

محفوظ، كما أن رسوخ كل منهما معروف محفوظ.

وما كنت أود الإطالة في هذا الأمر، وتكرار ما كتبته في كلمتي بعنوان (منهج الإمام محمد زاهد الكوثري في الجرح والتعديل » ، لولا ضرورة تجلية الموقف للقراء.

> ونسأل الله علماً نافعاً، ورحم الله علماء الإسلام عامة

وكتبه

المدينة المنورة ١٧/ ٥/ ١٤٣٩هـ-

محمد عوامه

فهرس المصادر والمراجع

> الأسماء والصفات، للبيهقي، دار الكتب العلمية، بيروت ٢- الإمتاع بسيرة الإمامين الحسن بن زياد وصاحبه محمد بن شجاع، لمحمد زاهد الكوثري، مطبعة الأنوار، القاهرة، الأولى

١٣٦٣هـ-

۳-الاستغنا، لابن عبد البر، تحقیق عبد اللہ السوالمۃ، مطبعۃ الأنوار، مصر، الأولی، ۱۲۶۰ھ۔

۴-الانتقاء في فضائل الأئمۃ الثلاثۃ الفقھاء، لابن عبد البر، تحقیق عبد الفتاح أبو غدۃ، مکتب المطبوعات الإسلامیۃ، حلب،

الأولی، ۱۴۱۷ھ۔

ہ-بیان الوھم والإیھام، لابن القطان، تحقیق حسین آیت سعید، دار طیبۃ، الریاض، الأولی، ۱۴۱۸ھ۔

۶-تائیب الخطیب، لمحمد زاھد الکوثري، دار الکتاب العربي۔-تاریخ مدینۃ دمشق، لابن عساکر، تحقیق عمر العمروي، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔

۸-تذکرۃ الحفاظ، للذھبي، مصورۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت. ۹-الترحیب بنقد التائیب، لمحمد زاھد الکوثري، مکتبۃ الخانجي، القاھرۃ.

۱۰-التنکیل بما ورد في تائیب الکوثري من الأباطیل لعبد الرحمن المُعَلّمي، دار الکتب السلفیۃ

۱۱-تھذیب التھذیب، لابن حجر، المصوّرۃ الأولی بدار صادر

بیروت، عن طبعۃ حیدر آباد الدکن بالھند، ۱۳۲۵ھ۔

۱۲-تھذیب الکمال في أسماء الرجال، للمزي، تحقیق بشار عواد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الخامسۃ، ۱۴۱۳ھ۔ ۱۳-الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، للخطیب الأولی،

البغدادي، تحقیق محمد عجاج الخطیب، مؤسسۃ الرسالۃ،

۱۴۱۲ھ۔

۱۴-الجرح والتعدیل، لابن أبي حاتم، طبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد الدکن، ۱۳۷۱ھ۔

۱۵-الجواھر الحسان، لزکریا بیلا، تحقیق عبد الوھاب

أبو سلیمان، مؤسسۃ الفرقان، الأولی، ۱۴۲۷ھ۔

۱۶-الجواھر والدرر في ترجمۃ شیخ الإسلام ابن حجر، للسخاوي، تحقیق إبراھیم باجس عبد الحمید، دار ابن حزم، بیروت، الأولی، ۱۴۱۹ھ۔

۱۷-خاتمۃ جامع الأصول، لمجد الدین ابن الأثیر، تحقیق عبد القادر الأرنؤوط، تحقیق بشیر عیون، مکتبۃ الحلواني، مطبعۃ الملاح، مکتبۃ دار البیان، الأولی، ۱۳۹۰ھ۔

١٨-الدرر الكامنة في أعيان المئة الثامنة،لابن حجر العسقلاني

دار الجيل، بيروت، ١٤١٤هـ.

١٩-سؤالات أبي عبيد الآجري أبا داود السجستاني، تحقيق عبد العليم عبد العظيم البستوي،مكتبة دار الاستقامة،مكة المكرمة،

الأولى

،١٤١٨هـ.

٢٠-سبيل التوفيق في ترجمة عبد الله ابن الصديق، بقلمه،

نسخة مصورة.

٢١-سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة،لناصر الألباني.

مكتبة المعارف، الرياض، الأولى، ١٤١٢هـ.

٢٢-سير أعلام النبلاء،للإمام الذهبي، مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرناؤوط،مؤسسة الرسالة، بيروت، الثالثة،

١٤٠٥هـ

٢٣-شرح مشكل الآثار للطحاوي، تحقيق شعيب الأرناؤوط

،

مؤسسة الرسالة، الأولى، ١٤١٥هـ.

٢٤- صحيح البخاري=فتح الباري

٢٥- صحيح مسلم،طبعة محمد فؤاد عبد الباقي، مصورة دار.

إحياء الكتب العربية

٢٦-الضعفاء الكبير، للعقيلي،طبعة عبد المعطي قلعجي، دار

الكتب العلمية، بيروت

۲۷-طبقات المعتزلة،لأحمد بن يحيى المرتضى، تحقيق سوسنة ديفلد، دار مكتبة الحياة، بيروت، ۱۳۸۰هـ.

۲۸-فتح الباري بشرح صحيح البخاري، للحافظ ابن حجر العسقلاني، مصوّرة، تحقيق شعيب الأرناؤوط وآخرين، مؤسسة

الرسالة العالمية، دمشق، الأولى، ۱۴۳۴هـ.

۲۹-الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، للشوكاني، تحقيق عبد الرحمن بن يحيى المُعلّمي، دار الكتب العلمية، بيروت. ۳۰-الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة، للذهبي، تحقيق ودراسة محمد عوامة وأحمد الخطيب، دار المنهاج، جدة، الثانية، ۱۴۳۰هـ.

۳۱-كلمات في كشف أباطيل وافتراءات، لعبد الفتاح أبو غدة،

مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الثانية، ۱۴۱۱هـ. ۳۲-اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة، للسيوطي، دار المعرفة، بيروت.

۳۳-لسان الميزان، لابن حجر، عناية عبد الفتاح أبو غدة،

مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الأولى، ۱۴۲۳هـ.

۳۴-المجروحون من المحدثين، لابن حبان البستي، تحقيق

محمود إبراهيم زايد، دار المعرفة، بيروت، ۱۴۱۲هـ.

۳۵-مختصر سنن أبي داود، للمنذري، طبعة محمد حامد الفقي، مكتبة السنة المحمدية، القاهرة.

۳۶-مسند الإمام أحمد، تحقيق شعيب الأرناؤوط وآخرين، مؤسسة الرسالة، بيروت، الأولى، ۱۴۱۶هـ.

۳۷-مصنف ابن أبي شيبة، تحقيق محمد عوامة، شركة دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة، الأولى، ۱۴۲۷هـ.

۳۸-المقاصد الحسنة، للسخاوي، دار الهجرة، بيروت،

۱۴۰۶هـ.

۳۹-مقالات الكوثري،للإمام الكوثري،طبعة دار السلام،القاهرة،الثانية،۱۴۲۸ھ.

۴۰-المنتظم،لأبي الفرج ابن الجوزي،دار صادر،بيروت،-الأولى،۱۳۵۸ھ.

۴۱-موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمين وعباده المرسلين،لمصطفى صبري،دار إحياء التراث،بيروت،الثالثة،

۱۴۱۳ھ.

۴۲-ميزان الاعتدال،للذهبي،تحقيق علي محمد البجاوي،طبعة عيسى البابي الحلبي،القاهرة،الأولى،۱۳۸۲ھ.

۴۳-هدى الساري=فتح الباري.